بساطِ فکر
مرتبین
ساحر ہوشیارپوری
ناشر نقوی

بساطِ فکر

ساحر ہوشیارپوری
ناشر نقوی

بساطِ فکر

(شعراءِ ہریانہ کا منتخب کلام)

مرتبین

ساحر ہوشیار پوری
ناشر نقوی

ہریانہ اردو اکادمی ۹۷۸، سیکٹر ۹ پنچکولہ ۱۳۴۱۰۸

بساطِ فکر

ساحر ہوشیارپوری
ناشر نقوی

بساطِ فکر

(شعراء ہریانہ کا منتخب کلام)

مرتبین

ساحر ہوشیارپوری

ناشر نقوی

ہریانہ اردو اکادمی ۹۷۸، سیکٹر ۹ پنچکولہ ۱۳۴۱۰۸

ہریانہ اردو اکادمی، پنچکولہ

اشاعت	۱۹۸۸ء
قیمت	۵۵ روپے
تعداد	ایک ہزار
کتابت و تزئین	سیّد عبدالحنّان
کتابت	عبدالمنان

طباعت ـــــ بالی گرافر پریس، فرید آباد

زیرِ نگرانی کشمیری لال ذاکر

سلسلہ ہریانوی ادب

کشمیری لال ذاکر سکریٹری ہریانہ اردو اکادمی نے بالی گرافر پریس سے چھپوا کر
ہریانہ اردو اکادمی پنچکولہ سے شائع کیا۔

حرف آغاز

ریاست ہریانہ میں اردو زبان وادب کی ترویج و ترقی کے لیے ہریانہ اردو اکادمی نے ہریانہ کے ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کو شائع کرنے کا جو منصوبہ بنایا ہے وہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اکادمی نے ریاستی شعراء کے کلام کو زیر نظر انتخاب "بساط فکر" میں عام انتخابات سے ہٹ کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مجموعے میں ہریانہ کے ۷۸ شعراء کی تخلیقات مع شعراء کے تعارف کے پیش کی گئی ہیں۔ اس ادبی کام کی انجام دہی کے لیے اکادمی نے ریاست کے بزرگ شاعر جناب ساحر ہوشیارپوری کی خدمات حاصل کی ہیں۔ اکادمی کی طرف سے ترتیب و تزئین کی ذمہ داری ایڈیٹر اکادمی ناشر نقوی نے سنبھالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مجموعے کی مستقبل میں ایک دستاویزی حیثیت ہو گی۔ مجھے امید ہے کہ اردو زبان وادب سے تعلق رکھنے والے حضرات زیر نظر "بساط فکر" کی دستاویزی اہمیت کا خیر مقدم کریں گے۔

کشمیری لال ذاکر
سکریٹری

عرضِ مرتب

ہریانہ کی سرزمین اردو زبان بالخصوص اردو شاعری کے لیے ہمیشہ زرخیز رہی ہے۔
اس تاریخی حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اردو زبان کے ارتقاء اور شاعری کی
نوک پلک سنوارنے میں ہریانہ کا بھی اتنا ہی حصہ رہا ہے جتنا کہ دلّی اور لکھنؤ اسکول کا۔
نارنول کے میر جعفر زٹلیؔ نے ہی ۱۷ ویں صدی کے وسط میں اردو شاعری کو طنز و مزاح کا
رنگ عطا کیا اس سے بھی پہلے نارنول کے ہی جناب محمد افضل نے بکٹ کہانی روپ
میں اردو شاعری کو ایک نیا انداز دیا تھا۔ ان کے علاوہ محمد جعفر تھانیسری نے کالا پانی کے
عنوان سے اردو میں پہلی سوانح حیات لکھی۔ امام بخش صہبائی، نظام الدین ممنونؔ اور میر مہدی مجروحؔ
بھی ہریانہ کے کاروانِ شعر و ادب کے سرخیل رہے ہیں۔ مرزا غالبؔ اور حضرت داغؔ کا رشتہ
بھی ہریانہ سے جڑتا ہے۔ ماضی قریب میں مولانا الطاف حسین حالیؔ، وحید الدین سلیمؔ،
مطلبیؔ فریدآبادی، خواجہ غلام الثقلین، خواجہ غلام السیدین، خواجہ احمد عباس، صالحہ عابد حسین
بمل کرشن اشکؔ اور ان کے علاوہ بہت سے دیگر نامور شعراء و ادبا نے اردو زبان و ادب
کی خدمت سرانجام دے کر ہریانہ کا نام روشن کیا اور آج بھی ہریانہ کے بہت سے صاحبِ طرز
اور خوش فکر شاعر اپنے خونِ جگر سے یہاں شعر و سخن کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔
آزادی کے بعد کافی مدت تک یہ شستہ اور شگفتہ زبان حکومت کی توجہ سے محروم رہی
مگر ہریانہ کو ریاست کا درجہ حاصل ہونے کے بعد ہریانہ ساہتیہ اکادمی کا قیام عمل میں آیا تو
اس نے ہندی اور پنجابی کے ساتھ اردو کو بھی درخورِ اعتنا سمجھا اور اس طرح اردو کی
حوصلہ افزائی کی شروعات ہوئی۔ اردو کے قلمکاروں کی کتابوں کی اشاعت کے لیے مالی امداد

دی گئی۔ معیاری کتابوں پر انعامات بھی دیے گئے۔ اور اس کے علاوہ ساہتیہ اکادمی کی طرف سے بھی اردو شعراء اور افسانہ نگاروں کی تخلیقات کے مجموعے شائع ہوئے۔ اکادمی کی طرف سے وقتاً فوقتاً ادبی تقریبات کا بھی اہتمام کیا گیا مگر ہریانہ کا اردو نواز طبقہ اور اہل قلم اس سے مطمئن نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اردو زبان سے انصاف نہیں ہو رہا۔ اردو کے بہی خواہوں نے اپنے مطالبات اور عرض داشتیں ہریانہ کے اربابِ حکومت کی خدمت میں پہنچائی اور ان کی مسلسل جدوجہد سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔

ہریانہ اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا اور ۹ راگست ۱۹۸۶ئہ کو اس کا افتتاحی اجلاس چنڈی گڑھ میں منعقد ہوا۔ اور اردو زبان کی ترویج اور فروغ کے لیے میدان ہموار ہوا۔ پہلے سال کے دوران پوری ریاست میں مشاعروں اور سیمناروں کا اہتمام کیا گیا۔ اور فنکاروں کو کتابوں کی اشاعت کے لیے سہولیات فراہم کی گئیں۔ تعلیمی مراکز بھی قائم کرنے کا آغاز ہوا۔ اکادمی نے ایک ماہنامہ خبر نامہ اور ایک سہ ماہی مجلہ جمناتٹ جاری کیا۔ اکادمی کے دوسرے سال میں جناب کشمیری لال ذاکرؔ کا تقرر بطور سکریٹری ہوا۔ ذاکرؔ صاحب نے اردو کی ترقی اور ترویج کے لیے ٹھوس تعمیری منصوبے تیار کئے۔ جنمیں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ ہریانہ کے اردو شعراء کا ایک انتخاب کلام بھی کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ یہ فیصلہ اس خیال کے تحت کیا گیا کہ ہریانہ میں اس وقت بھی ایسے شعراء کی کمی نہیں جنہیں اس زبان میں درجہ استناد حاصل ہے۔ یہاں کے کتنے ہی شاعر قومی شہرت کے مالک ہیں۔ ان سب کے کلام کو کتابی صورت میں شائع کر کے منظر عام پر لانا اکادمی کا فرض بھی تھا تاکہ ہریانہ میں اردو کے مقام کا تعین ہو سکے۔

مجھے خوشی ہے کہ ریاست کے شعراء نے اس بزم سخن میں شریک ہونے کے لیے پوری صدق دلی اور خلوص سے کام لیا ہے اور اپنے بہترین کلام سے نواز کر اکادمی کو کتاب کی اشاعت میں تعاون دینے کی کرم فرمائی کی ہے۔ میں ان کی بھیجی ہوئی ہر تخلیق کو قابل احترام سمجھتا ہوں مگر اس کے ساتھ ہی میرے سامنے ترتیب کی دشواریاں بھی ہیں۔ صفحات کی محدودیت، شعری مزاجوں کی یکسانیت اور اختلاف، شاعری کے مختلف

ادوار کی نمائندگی، بدلتی ہوئی شعری قدروں کا تناسب، ان سب چیزوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ممکن ہے کوئی تخلیق اس مجموعے میں شامل ہونے سے رہ گئی ہو یا ترمیم شدہ صورت میں شامل کی گئی ہو لیکن اس میں تخلیق کے معیار کا ہرگز قصور نہیں اسے بہر صورت مرتب کی مجبوری سمجھنا چاہیئے۔

ترتیب کے اعتبار سے اس مجموعے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصّے میں ۶۵ برس سے اوپر کی عمر کے شعراء شریک ہیں اس حصے کو شمس و قمر کے نام سے موسوم کیا ہے۔ دوسرے حصے میں ۴۰ سے ۶۵ برس تک کی عمر کے شعراء کو شامل کیا گیا ہے۔ اور اس حصے کا نام کہکشاں رکھا گیا ہے۔ اور تیسرا حصہ ۴۰ برس سے کم عمر کے شاعروں کے لیے مخصوص ہے یہ باب قوسِ قزح سے موسوم ہے۔ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ پچھلی چوتھائی صدی اردو زبان کے بحران سے عبارت ہے اور ادبی جمود کے اس دور میں ہریانہ میں بھی کم قابلِ ذکر شاعر ادبی سطح پر ابھرے ہیں۔ کتاب کا آخری حصہ اس بات کا شاہد ہے

ایک خاص نکتہ اس شعری مجموعے میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وہ ہے وقت کے ساتھ اردو شاعری کا بدلتا ہوا رجحان۔ شاعری جس درجہ بدرجہ روایت سے انحراف کرتی ہوئی نئی سمتوں کی طرف گامزن ہوئی ہے اس کے پیشِ نظر کلام کے انتخاب اور تدوین میں بھی احتیاط برتنا لازم ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس مجموعے میں شامل سبھی شعراء اس عبوری دور کی نمائندگی کرتے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعۂ کلام میں شعراء کا تعارف ان کلام کے ساتھ ہی نثری صورت میں دیا جا رہا ہے۔ اور یہ تعارف شعراء حضرات کی ارسال کردہ خود نوشت پر مبنی ہے۔ اس میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کیا گیا ہے البتہ ان کے خصوصیات کلام کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کر دیا گیا ہے

بساط فکر خلوص دلی کے ساتھ اس امید پر قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے کہ ہریانہ اور بیرون ہریانہ کے ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہو گی اور ہریانہ کے اردو شعراء کی کاوشیں سخن فہم اصحاب کے ذوقِ سلیم کو حظ اور تسکین عطا کریں گی۔

ساحر ہوشیارپوری

باب اوّل

بہ اعتبار حروفِ تہجی
۵۴ برس کی عمر سے اوپر کے شعرا حضرات

شمس و قمر

دیوی دیال آتش بہاولپوری

جناب دیوی دیال آتش ۱۸ نومبر ۱۹۱۵ء کو خیرپور۔ سادات مظفرگڈھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شری بھولارام ۱۹۳۶ء میں کاروباری سلسلہ کے تعلق سے بہاولپور چلے گئے۔ اور ۱۹۴۷ء تک وہیں رہے۔ بہاولپور کے تعلق سے آتش صاحب نے خود کو بہاولپوری لکھنا شروع کردیا آپ ۱۹۵۲ء سے مستقل طور پر سونی پت ہریانہ میں آباد ہیں۔ آپ نے ادیب فاضل اور منشی فاضل کی اسناد حاصل کیں۔ کچھ عرصے تک آپ سی۔ آر۔ اے کالج میں اردو کے لکچرار بھی رہے۔ درس وتدریس کا سلسلہ کافی عرصے تک جاری رہا۔ آتش صاحب شاعر ہونے کے ساتھ صحافی بھی ہیں۔ بہاولپور سے آپ نے "پیغام" اخبار جاری کیا جو تقسیم ملک کے بعد ۴۹ء میں جالندھر سے بھی شائع ہوا۔ آج کل ہفتہ وار "پیغام" سونی پت سے شائع کررہے ہیں۔ آپ "دیش بندھو" اخبار سونی پت اور "نیا جیون" اخبار فیروزپور کے مدیر بھی رہے۔ آتش صاحب ایک مدیر، ایک شاعر، ایک صحافی کے ساتھ ساتھ مزدور لیڈر بھی ہیں۔ کلام میں پختگی ہے۔ اور دورِ حاضر کے مسائل کو خوش اسلوبی سے شعری قالب میں ڈھالنے پر مہارت رکھتے ہیں۔

آتش بہاولپوری کا شمار ہریانہ کے ممتاز ادیبوں میں ہوتا ہے آپ کی تصنیفات میں "خلاصہ تاریخ ادب"، "نذر اقبال" اور مجموعہ کلام "شمع فروزاں" قابل ذکر ہیں۔ آپ علامہ سیماب اکبرآبادی کے قابلِ قدر تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

آتش صاحب ریاستی انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری بھی ہیں۔

پتہ

۳ ماڈل ٹاون۔ سونی پت (ہریانہ)

آتش بہاولپوری

غزلیں

تم سمجھتے ہو جسے ایک فسانہ لوگو
میری آنکھوں نے وہ دیکھا ہے زمانہ لوگو

زندگی اپنی حوادث سے بچائے رکھنا
موت تو ڈھونڈتی پھرتی ہے بہانہ لوگو

جس کے سائے میں مسافر کو سکوں ملتا ہو
اس گھنے پیڑ کو ہرگز نہ گرانا لوگو

آج کل اس میں بھی اغیار کی دارائی ہے
شہر احباب میں تم سوچ کے جانا لوگو

بد دعا تم نے ہی دی تھی مجھے مر جانے کی
اب مری موت پہ آنسو نہ بہانا لوگو

محفلیں عیش و مسرت کی مبارک ہوں تمہیں
ہم تو اب بھول گئے ہنستا ہنسنا لوگو

حق و انصاف کا آتش ہے علم دار و نقیب
اس کی آواز میں آواز ملانا لوگو

○

فقیر کا سر تو کسی در پہ کبھی خم نہ ہوا
فقیر کے قدموں پہ جھکتا رہا شاہوں کا ہجوم

آپ کی بزم میں ہم نے یہ کرشمہ دیکھا
ایک ہی چہرے پہ تھا سب کی نگاہوں کا ہجوم

خرمنِ جبر کو لاریب جلا ڈالے گا
آگ کے شعلوں کی صورت مری آہوں کا ہجوم

ایک ہم ہیں، جنہیں تنکے کا سہارا نہ ملا
ایک وہ ہیں، جنہیں حاصل ہے پناہوں کا ہجوم

داورِ حشر کی رحمت پہ بھروسہ ہے جنہیں
بے خطر جائیں گے لے کر وہ گناہوں کا ہجوم

حشر سے پہلے کہیں حشر نہ کر دیں برپا
میرے اشکوں کا یہ سیلاب، یہ آہوں کا ہجوم

دیر و کعبہ ہی پہ منزل تری موقوف نہیں
جو بھی جس راہ سے پہنچا ترے در تک پہنچا

کس کی پژمردگیٔ گل پہ نظر جاتی ہے
دستِ گلچیں بھی ہمیشہ گلِ تر تک پہنچا

تیرے کوچے کی اعجاز نمائی کے نثار
جس نے پتھر کوئی پھینکا میرے سر تک پہنچا

دل میں تجدیدِ تعلق کی تمنا لے کر
روز دیوانہ تری راہ گذر تک پہنچا

مجھکو آسودۂ ساحل نہیں ہونا آتا
وہ شناور ہوں ہمیشہ جو بھنور تک پہنچا

جس کو دنیا میں کہیں اور ٹھکانا نہ ملا
وہ بھٹکتا ہوا راہی تیرے در تک پہنچا

اب کہاں ڈھونڈو گے آتش دلِ گم گشتہ کو
صبح کا بھولا سرِ شام نہ گھر تک پہنچا

○

خموش بیٹھے ہو کیوں سازِ بے صدا کی طرح
کوئی پیام تو دو رمزِ آشنا کی طرح

کہیں تمہاری روش خار و گل پہ بار نہ ہو
ریاضِ دہر سے گذرے چلو صبا کی طرح

نیاز و عجز ہی معراجِ آدمیت ہیں
بڑھاؤ دستِ سخاوت بھی التجا کی طرح

مجھے ہمیشہ رہِ زیست کے 'دوراہوں' پر
اک اجنبی ہے جو ملتا ہے آشنا کی طرح

تمام عمر رہا سابقہ یزیدوں سے
مرے لئے تو یہ دنیا ہے کربلا کی طرح

زباں پہ شکوۂ بے مہریٔ خدا کیوں ہے
دعا تو مانگئے آتشؔ کبھی دعا کی طرح

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

علامہ اقبال

○

زمیں کے ذرے ذرے کو تیری تنویر ضو بخشے
فلک پر بھی ہوں تیری عظمت و توقیر کے چرچے
وقارِ آدمی ہو اور بھی اونچا تیرے دم سے
''خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے''

○

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عَلاّمہ اِقبالؔ

○

مسرت کا بھی موجب ہے عمل ہے باعثِ غم بھی
یہی رسوا بھی کرتا ہے بناتا ہے مکرم بھی
عمل کے نیک و بد کا نام ہے شعلہ بھی شبنم بھی
''عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے''

کندن لعل اخگر شاہانی

کندن لعل اخگر شاہانی کی پیدائش تقریباً ۱۹۱۸ء کو سہان تحصیل بھکر ضلع مظفر گڈھ (پاکستان) میں ہوئی۔ اخگر صاحب نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم۔اے (فارسی اور تاریخ) کیا اور درس و تدریس کو ذریعہ معاش بنایا۔

اخگر صاحب سات برس جالندھر میں اور ۱۴ برس کرنال میں اردو فارسی کے لیکچرر رہے ۱۹۷۳ء میں کالج میں اردو، فارسی کا شعبہ بند کر دیئے جانے کی وجہ سے آپ کو ملازمت سے الگ ہونا پڑا اور ایک کوچنگ سینٹر "اسٹیڈی ہال کے نام سے قائم کرکے طالبانِ علم کی خدمت کرنے میں مشغول و مصروف ہو گئے۔ یہ سلسلہ تدریس آج بھی جاری ہے۔

اخگر صاحب کو شعر و شاعری کا شوق دورانِ تعلیم پیدا ہوا۔ آپ نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کی محبوب صنف سخن غزل ہے۔ آپ کے کلام میں سلاست اور روانی ملتی ہے۔ آپ کا شمار ہریانہ کے بزرگ شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ نے رہنمائی سخن کے لئے فاتح محمد فاتح کو چنا انہیں کے دامنِ فیض سے وابستہ رہے۔ اخگر صاحب اردو، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ آپ کا اردو کلام کا مجموعہ "اخگریات" اور فارسی کا مجموعہ "گل بانگ پارسی" زیر ترتیب ہیں۔ اخگر صاحب کا انگریزی کلام بھی شائع ہو چکا ہے۔

پتہ

اسٹیڈی ہال۔ ۱۰۵ ایم۔ ٹی کرنال (ہریانہ)

غزلیں

اور تو سب کچھ ہی کر اپنا مگر سودا نہ کر
دیدہ و دانستہ اپنے آپ سے دھوکا نہ کر

آج کل سنتا نہیں ہے کوئی سیدھی بات کو
کوئی الٹا ہے تو رہنے دے اسے سیدھا نہ کر

زندگی میں چاہتا ہے تو اگر آرام تو
بات سادہ ہے کبھی آرام سے بیٹھا نہ کر

زندگی آسان ہے بنتی مگر مشکل سے ہے
خوف ہو خاروں کا تو گلشن کا نظّارہ نہ کر

درد جب دل سے مٹ گیا تیرا
زندگانی میں کیا رہا تیرا

صاف ظاہر ہے تیرے چہرے سے
عشق میں دل ہے مبتلا تیرا

تو نے اپنے لیا جو کچھ نہ لیا
کر سکے گا بھی کیا خدا تیرا

تیرے پہلو میں جو دھڑکتا ہے
ہے وہی دل ہی تو خدا تیرا

قطعات

○

دے دیا ہے ہم نے مٹی کو کچھ ایسا رنگ و روپ
رات دن تکتے ہی رہتے ہیں اسے شمس و قمر
میرے ملنے کا پتہ آسان سے آسان ہے
ہر جگہ ملتا ہوں میرا گھاٹ ہے کوئی نہ گھر

○

اپنی محنت اور مشقت کی کمائی کھا کے بھی
تیرے بندے رحمت کا ہی دم بھرتے رہے
مل گئیں پلکوں سے پلکیں آ گئی میٹھی سی نیند
کیا یہی تھی موت جس سے عمر بھر ڈرتے رہے

○

میں ہوں تیرا چاہنے والا، تجھے کس نے کہا
یہ تو میرے دل کا قصہ تھا تجھے کس نے کہا

بھگوان داس برق

جناب بھگوان داس برق کا شمار ہریانہ کے بزرگ شعراء میں ہوتا ہے۔ ۱۴/فروری ۱۹۱۸ء
کو ان کی ولادت گگی نو ضلع جھنگ (پاکستان) میں ہوئی۔ منشی فاضل اور ادیب فاضل کی اسناد
حاصل کیں اور اپنا ذریعہ معاش درس وتدریس کو بنایا آپ ایک مدت تک ہریانہ کے محکمۂ تعلیم
سے وابستہ رہے۔ ان کی مستقل سکونت روہتک میں ہے۔

بھگوان داس برق کا تعلق ایک ایسے خاندان سے رہا۔ جس کا اوڑھنا بچھونا ہی اردو
تھا۔ زمانۂ طالب علمی سے آپ کو شاعری کا شوق رہا۔ تقسیم ملک سے پہلے اور تقسیم ملک کے بعد
بھی آپ مشاعروں میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ آپ کی شاعری میں ادبی کلاسکی روایتیں ہیں۔ یوں
تو آپ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل ان کی پسندیدہ صنف ہے۔ غزلیہ
کلام میں نئی ردیفوں کے متلاشی نظر آتے ہیں اور ان کو نبھانے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔

آپ کی شاعری حب الوطنی، سالمیت اور آپسی اتفاق کی غماز ہے۔ برق صاحب مولوی
اللہ دین مضطر کے شاگرد ہیں۔ آپ کا کلام "ادب لطیف" "شان ہند" "پرتاپ" اور دیگر مختلف
اخبارات و رسائل میں چھپتا رہتا ہے۔ معمار قوم کے نام سے ایک مجموعہ چھپ چکا ہے۔

پتہ

جھنگ کالونی۔ نزد ریلوے کراسنگ روہتک (ہریانہ)

قطعات

○

میں تری صورت کا بھوکا تھا نہ تیرے جسم کا
میں نے تو دیکھا تھا تجھ میں اس مقدس نور کو
جو کلیم اللہ نے دیکھا تھا جا کر طور پر
چڑھ کے سولی پر نظر آیا تھا جو منصور کو

○

ترے کرم ہی سے بگڑی ہوئی بنے گی بات
ترے کرم ہی سے مشکل ہر اک حل ہوگی
ترا کرم ہے تو سلجھے گی برق ہر گتھی
نہیں ہے راہ جو ہموار آج کل ہوگی

○

ہزار غم ہیں دلِ ناتواں تری خاطر
ہمیں سکون کہاں ہے یہاں تری خاطر

تجھی کو کام سے فرصت نہ مل سکی ورنہ
رکا رہا کئی دن۔ کارواں تری خاطر

زمیں پہ رہنا ہے تجھکو تو حضرتِ آدم
کہاں سے لائیں مہ و کہکشاں تری خاطر

فلک نشیں تھے کبھی ہم ہوئے ہیں دشت نورد
پہنچ گئے ہیں کہاں سے کہاں تری خاطر

متفرقات

○

ہم نے دل میں تھا جو کہہ ڈالا — آپ نے بھی تو کچھ کہا ہوتا
تیری دنیا میں خالق ہستی — کوئی تو درد آشنا ہوتا

○

کسی کا دل پہ جب اپنے ہی اختیار نہیں — تو کوئی پیار کا مجرم گنہگار نہیں
کچھ ایسے داغ بھی ہیں جو نظر نہیں آتے — وگرنہ ہے کوئی سینہ جو داغدار نہیں

○

ایسے بھی اس جہاں میں کئی ہمسفر ملے — بچھڑے تو زندگی میں نہ بار دگر ملے
تصویر صبح رات کے پردے میں دیکھ لی — دنیا میں ہم کو ایسے بھی کچھ دیدہ ور ملے

○

امیر چند بہار

جناب امیر چند بہار ریاست ہریانہ کے ان ممتاز اور معروف شعرا میں سے ایک ہیں جن کا نام اور کلام انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ ہریانہ اردو اکادمی نے اسی برس جناب بہار کا مجموعۂ کلام "نشیب و فراز" شائع کیا ہے۔

آپ کے کلام میں حب الوطنی اور آپسی ہم آہنگی کی قابل قدر روایت ہے۔ بہار صاحب گورنمنٹ کالج روہتک سے بحیثیت پرنسپل ریٹائر ہوئے۔ آج کل صاحب فراش ہیں لیکن مشق سخن جاری ہے۔ بہار صاحب کے کلام کا تعارف اتنا ہی کافی ہے کہ سراپا بہار ہے۔

پتہ

۱۰ ار ایل موڈل ٹاون روہتک۔

امیر چند بہار

عشق میں ضبطِ فغاں درکار ہے
بے زبانی کی زباں درکار ہے

وحشتِ دل کا ہو کوئی تو علاج
صحبتِ پیرِ مغاں درکار ہے

میرے دل کی سمت وہ نظریں اٹھیں
بجلیوں کو آشیاں درکار ہے

ان گھنی زلفوں کا سایہ کیجئے
دھوپ میں اک سائباں درکار ہے

رازِ دل کس پر کروں میں آشکار
کوئی دل کا رازداں درکار ہے

امیر چند بہار

(۱)

جب چھیاسٹھ[۶۶] میں یہ ہریانہ بنا
صنعت و حرفت، ترقی کچھ نہ تھا

ایک بنجر اور پس ماندہ زمیں
نیم خواندہ، بے ہنر اس کے مکیں

ہر طرف تھا اضطراب و انتشار
ہر بشر تھا مضمحل اور دِل فگار

جس کو دیکھو خستہ جان و خستہ تن
آندھیوں کی زد میں تھا سارا چمن

علم و فن سے بے خبر جمہور تھے
سخت نالاں تھے مگر مجبور تھے

سب کے چہروں سے عیاں تھی مُردنی
ہر طرف تھا عالمِ بیچارگی

کوئی لیتا تھا نہ ہریانے کا نام
سخت بدظن ہو چلے تھے خاص و عام

یاس کی ظلمت میں گم تھی روشنی
زندگی میں تھی نہ کوئی زندگی

اپنا مستقبل بہت تاریک تھا
آنکھ حیراں تھی کہ کیا ہو جائے گا

●

یک بیک بدلی فضا، بادل چھٹے
اور اس دھرتی کے سب سنکٹ کٹے

جاگ اٹھی ہریانے کی تقدیر پھر
کچھ نظر آنے لگی تنویر پھر

پھر فضا لینے لگی انگڑائیاں
ختم آخر ہو گیا دورِ خزاں

لوٹ کے پھر آگیا دورِ شباب
دفعتاً آنے لگا اِک انقلاب

اُڑ گئی چہروں سے سب گردِ ملال
ہو گئی صوبے کی صحت پھر بحال

پھر خوشی کے قافلے چلنے لگے
غیر ہم کو دیکھ کر جلنے لگے

بچھ گئے ہر گاؤں میں بجلی کے تار
ٹیوب ویل ، اسکول ، سڑکیں بے شمار

صنعت و حرفت کا دروازہ کھُلا
مسئلہ خوراک کا حل ہوگیا

ہوگئے علمی مراکز رُونُما
اسپتال اور کارخانے جابجا

ہر کوئی ہے شاد کام و کامراں
زندگی کی لہر ہے پھر سے رواں

اب نظر آتا نہیں حُزن و ملال
کوئی پژمردہ نہ کوئی پائمال

چارسُو ہے شادمانی ، سرخُوشی
اب کسی شئے کی نہیں کوئی کمی

اب نہ عُسرت ہے نہ قلّت ہے یہاں
اب کہیں باقی نہیں غم کا نشاں

ہر بشر مسرور ہے ، خُوشحال ہے
علم کی دَولت سے مالا مال ہے

بہاری لال بھارتی

بہاری لال بھارتی ہریانہ کے ایک بزرگ شاعر ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۸ر اگست ۱۹۱۸ء کو علی پور ضلع منظفر گڑھ (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور سونی پت (ہریانہ) میں آباد ہو گئے۔ محکمۂ ریلوے کی ملازمت سے ریٹائر ہو کر سماج سدھار کے کاموں میں مصروف ہیں۔

شاعری کا شوق دوران تعلیم پیدا ہوا۔ یہاں سونی پت کی ادبی فضا نے سخن فہمی کے مزاج کو مزید تقویت پہونچائی۔ آپ آتش بہاولپوری سے مشورۂ سخن کرتے ہیں نظم بھی کہتے ہیں اور غزل بھی کلام میں حب الوطنی اور اخلاقیات کے جذبات کا اظہار ملتا ہے۔

پتہ:

بھارتی بھون ۱۲/۵۱۶ بنرہ کالونی رشی نگر سونی پت۔

غزلیں

ساقیٔ محفل کی مے کی اور پیمانوں کی بات
حضرتِ واعظ کے لب پر بھی ہے میخانوں کی بات

ہو مبارک قصۂ گل عندلیب زار کو
اچھی لگتی ہے ترے وحشی کو ویرانوں کی بات

اس کی گہرائی کو پا سکتے نہیں اہل خرد
ایک دیوانہ سمجھ سکتا ہے دیوانوں کی بات

جل مرے اک آن میں لب سے نہ کچھ بھی کہہ سکے
شمعِ محفل سے ہی پوچھیں آؤ پروانوں کی بات

ہم نے سینچا تھا انہیں اپنے جگر کے خون سے
گل و لالہ کے ہے لب پر جن گلستانوں کی بات

○

ہادیانِ دین وملّت کا یہی فرمان ہے
"مل کے رہنا پیار کرنا دھرم ہے ایمان ہے"

تفرقہ پردازیوں سے ہوتی ہے ذلّت نصیب
اتحادِ باہمی سے زندگی کی شان ہے

ہے بڑائی اس میں تو ٹوٹے دلوں کو جوڑ دے
دل کسی کا توڑ دینا تو بہت آسان ہے

اس حقیقت سے تو اے انساں کیوں ہے بے خبر
خدمتِ خلقِ خدا انسانیت کی شان ہے

زندگانی میں توازن اور ضبطِ نفس سے
بھارتی اس عہدِ پیری میں بھی کافی جان ہے

○

جو سراسر خواب ہوں وہ داستانیں بھول جا
ہو یقیں جن پر حقیقت کا ان افسانوں کو ڈھونڈ

راہ زن پھرتے ہیں اکثر رہبروں کے بھیس میں
ہے تقاضہ وقت کا کامل نگہبانوں کو ڈھونڈ

التجائیں ساغرِ مے کی نہ کر ساقی سے تو
ہو سکے تو بادۂ عرفاں کے پیمانوں کو ڈھونڈ

ہو رہا ہے منتشر شیرازۂ قوم و وطن
درس دیں جو ایکتا کا ایسے انسانوں کو ڈھونڈ

بھارتی اپنوں کے انداز کرم کو دیکھکر
تیرے حق میں ہے یہی بہتر کہ بیگانوں کو ڈھونڈ

○

دل میں تیری یاد ہے لب پر ہے افسانہ تیرا
ڈھونڈتا پھرتا ہے ہر سو تجھ کو دیوانہ تیرا

تری شمع حسن کی خیرات مستانہ تیرا
سوز فرقت سے جلا جاتا ہے پروانہ تیرا

کھینچ لایا ہے یہاں شوقِ جبیں سائی مجھے
دیر و کعبہ سے سوا ہے مجھکو کاشانہ تیرا

بادہ کش ہیں منتظر محفل میں بس اک جام کے
دیکھئے آتا ہے کب گردش میں پیمانہ تیرا

مئے گساروں پر رہے ہر دم تیرا لطف و کرم
پیر میخانہ رہے آباد مئے خانہ تیرا

بھاتی دل میں جگہ دیتا ہے فرط شوق سے
رنج و غم کو بھی سمجھ کر ایک نذرانہ تیرا

ڈاکٹر بیتاب علی پوری

ڈاکٹر راما نند بیتاب علی پوری، ا رمارچ ۱۹۳۲ء کو علی پور ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) میں تولد ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ پہلے پانی پت پھر مستقل طور پر سونی پت میں سکونت پذیر ہوئے۔ بیتاب صاحب نے بی۔ اے ادیب فاضل اور آر۔ ایم۔ پی (ایچ) کی اسناد حاصل کیں۔ ان دنوں آپ دہلی میونسپل کارپوریشن میں انسپکٹر کے عہدے پر فائز ہیں۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم پیدا ہوا۔ قبلہ جوش ملسیانی اور شہید علی پوری سے اصلاحِ سخن حاصل کی اب جے رام داس ملک اور رئیس نیازی سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ شعرگوئی کے علاوہ نثری مضامین بھی لکھتے ہیں اور ہفت روزہ "اشوک چکر" (ہندی) کے مدیر ہیں۔ ادبی سنگم ہریانہ رجسٹرڈ" سونی پت کے بانی اور جنرل سکریٹری ہیں۔

"غنچہ وگل"، "بیتابیاں" اور "سوغات" آپ کی غزلیات کے مجموعے ہیں۔ "سفینۂ لہریں" اور "درد مشترک" کے آپ مولف ہیں۔ بیتاب صاحب نے طب ہومیوپیتھی کے نام سے اردو میں منظوم کتاب تصنیف کی ہے جو فخرالدین میموریل سوسائٹی کے مالی تعاون سے شائع ہو چکی ہے۔ سونی پت میں آپ ہومیوپیتھی طریقہ علاج سے عوام کی مفت خدمت کرتے ہیں۔ آریہ سماج فری ڈسپنسری کے انچارج ہیں اور متعدد سماجی اداروں سے بھی وابستہ ہیں۔

پتہ

رام بازار سونی پت

ڈاکٹر بیتاب علی پوری

غزل

وہ جو ہم پر مہرباں ہوتا گیا
ایک عالم بدگماں ہوتا گیا

عشق کی منزل میں ہر اک گام پر
روز اپنا امتحاں ہوتا گیا

آپ کی جانب بڑھا ہوں جب کبھی
فاصلہ سا درمیاں ہوتا گیا

عشق میں کیا دل سنبھلنے کا سوال
اور بھی دل کا زیاں ہوتا گیا

آج تو ہر گام پہ بیتاؔب کو
قرب منزل کا گماں ہوتا گیا

حضرتِ ناسخ کے ایک شعر پر دو تضمین

○

بر ملا کہتا ہوں میں یہ مجھ کو ہے کامل یقین
ہر بشر ہے خود غرض کوئی کسی کا بھی نہیں
قول داناؤں کا ہے بس کیجئے یہ دل نشیں
"بانٹ لے کوئی کسی کا غم یہ ممکن ہی نہیں"
بارِ غم دنیا میں اٹھواتے نہیں مزدور سے

○

کر لیا ہے غم کو اے بیتابؔ ہم نے دلنشیں
غم ہمارا ہے اور اس غم کا مداوا ہیں ہمیں
تجربے کے بعد کہتے ہیں کہ بر روئے زمیں
"بانٹ لے کوئی کسی کا غم یہ ممکن ہی نہیں"
بارِ غم دنیا میں اٹھواتے نہیں مزدور سے

○

غزل

دوستوں کے بھیس میں قاتل ملے
پھر بتاؤ کیسے دل سے دل ملے

دوسروں کے غم میں ہو جو بیقرار
یا الٰہی مجھکو ایسا دل ملے

لے چلے جو منزلِ مقصود تک
کاش ایسا رہبرِ کامل ملے

ترکِ الفت جس کے مذہب میں ہو کفر
ہے دعا میری تجھے وہ دل ملے

بحرِ الفت کا عجب دستور ہے
ڈوبنے والوں کو ہی ساحل ملے

آرزو ہے دل میں، کوئی سنگِ در
سجدہ بیتاب کے قابل ملے

غزل

رہرو کوئی غلط نہ کوئی رہنما غلط
اس کا علاج کیا جو ہو خود راستہ غلط

نظروں سے دور ہوں تو ہوں دل سے ہیں وہ قریب
دل نے کیا نظر کا مری فاصلہ غلط

ہے زندگی کی چاہ تو مرنے سے بھی نہ ڈر
تیری فنا غلط ہے نہ تیری بقا غلط

اے جذبِ شوق تیرے سہارے چلا ہوں میں
اب دیکھ ہو نہ جائے میرا راستہ غلط

امکان یہ تو ہے کہ نظر کا قصور ہو
ممکن نہیں دکھائے مگر آئینہ غلط

مکر و ریا و موقع پرستی سے کیا غرض
کشتی ڈبو ہی دے گا جو ہے ناخدا غلط

ہیں کشتگانِ زہرِ تمنا فردِ دل و دماغ!
کس درجہ ہے زمان و مکاں کی فضا غلط

کرشن چندر پاگل

جناب کرشن چندر پاگل کی پیدائش ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۵ء کو تھانیسر کوروکشیتر میں ہوئی۔ آپ نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔

پاگل صاحب نے اپریل ۴۷ء میں اڑمڑ ٹانڈہ پنجاب کے کسان ستیہ گرہ میں حصہ لیا اور اس جرم میں آپ کو ڈیڑھ برس کی سزا ہوئی۔ لیکن آزادی ملنے کے بعد پنجاب سرکار نے اکتوبر ۴۷ء میں رہا کر دیا۔ ۱۹۵۴ء تک آپ سوشلسٹ پارٹی سے منسلک رہے۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۸۶ء تک آپ بسلسلہ روزگار ہندوستان کے مختلف شہروں اور محکموں میں ملازم رہے۔ ۳۱۔ اکتوبر ۸۶ء کو آپ تیل اور قدرتی گیس کمیشن کے محکمہ میں فائر آفیسر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

آپ کے کلام پر تخلص کا اثر نہیں پڑا۔ اشعار میں خردمندی اور فرزانگی کا عنصر ہے دورِ حاضر کی منفی اقدار پر پُرتاثیر طنز کرتے ہیں۔ کلام میں سادگی ہے۔ اور اکثر بیشتر صنفِ غزل ہی میں اظہارِ خیال کرتے ہیں۔

پتہ

کرشن بھون ۱۳/۱۳۲۲ سبزی منڈی کوروکشیتر۔ ہریانہ

غزلیں

وہ کسی مذہب کو بھی سمجھا نہیں
آدمی سے پیار جو کرتا نہیں

درد سے جس کا کوئی رشتہ نہیں
زندگی کو اس نے پہچانا نہیں

ایک ہی آدم کی سب اولاد ہیں
کوئی اپنا سا مگر لگتا نہیں

ہر زبان پر حسن کا ہے تذکرہ
عشق کا لیکن کہیں چرچا نہیں

آپ بھی پاگلؔ مجھے سمجھا گئے
آپ نے بھی مجھ کو پہچانا نہیں

یہ لامحدود ویرانے خرد کی رہبری سے ہیں
اگر تو دل کی سن لیتا. تو منزل پا گیا ہوتا

زباں تو مل گئی تابِ شنیدن چھن گئی ہم سے
اگر سنتے تو کہنے کا سلیقہ آگیا ہوتا

کبھی اہلِ سیاست میکدے میں بھی جو ہو آتے
بہ فیضِ چشمِ ساقی ان کو جینا آگیا ہوتا

یہ تنہائی کا سایہ مجھ کو ڈس لیتا اندھیروں میں
جو اس کی یاد کا دامن نہ میں نے پالیا ہوتا

جہانِ رنگ و بو میں اس قدر سحرِ تصنع ہے
اگر پاگل نہ ہوتا میں تو دھوکہ کھا گیا ہوتا

دل میں میرے عشق کا ہرگز کوئی سودا نہ تھا
تم کو دیکھا تو یہ جانا پہلے میں ایسا نہ تھا

خط لکھا تھا ایک سورج کو کہ انگلی جل گئی
دھوپ کا ردعمل پہلے کبھی ایسا نہ تھا

ہم ہوا کے ساتھ اپنا راستہ بدلا کئے
ایک برگ خشک ہوگا راہبر جانا نہ تھا

راستے سے اڑ کے آخر سر پہ چڑھ جاتی ہے یہ
دھول پر جب پاؤں مارا تھا تو یہ سوچا نہ تھا

میں فقط پاگل ہی تھا۔ حق بات جو کہتا پھرا
میں سیاست داں نہیں تھا۔ میں کوئی دانا نہ تھا

دیوان شیو شنکر تصوّر

(دیوان) شیو شنکر نام تصور تخلص۔ ۱۵؍نومبر ۱۹۲۳ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن مظفر نگر (یوپی) ہے۔ تصور صاحب کا شمار ہریانہ کے ممتاز شعراء اور صحافیوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے دادا مرحوم مشق سخن کے ساتھ ساتھ اپنے دوستوں کی محفل میں مثنوی مولانا روم اور دیگر فارسی ادبیات پر بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے۔ اسی ادبی ماحول میں تصور صاحب شعرگوئی کی طرف راغب ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں آپ کی پہلی غزل "بھٹنا گر سماچار" میرٹھ میں شائع ہوئی۔ ۱۹۴۵ء میں آپ کا پہلا مضمون شائع ہوا۔ صنف شاعری میں آپ نے ڈاکٹر منور سہائے انور سے استفادہ کیا۔ ۱۹۴۸ء میں آپ نے امرتسر سے ماہنامہ "مشرق" نکالا۔ ۱۹۴۹ء میں تیسیر بھارت کے سب ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اور اسی زمانے میں "طوفان" اور فلمی پرچہ "اسٹار" دہلی نکالا۔ ۱۹۵۸ء میں آپ گوڑگاؤں چلے گئے اور وہاں سے ہفتہ وار "نشانہ" جاری کیا۔ آپ روزنامہ پرتاپ دہلی سے بھی کافی عرصے منسلک رہے۔ اور اس کے بعد روزنامہ "تیج" "قومی آواز" اور "ملاپ" سے بھی وابستہ رہے۔

دیوان تصور صاحب گزشتہ ۴۰ برس سے خدمتِ ادب انجام دے رہے ہیں۔ زبان و بیان میں پختگی ہے۔ رنگ سخن کلاسیکل ہے احساسات و جذبات کے اظہار میں غور و فکر کی روشنی بھی جھلکتی ہے آپ گوڑگاؤں کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے روح رواں ہیں اور مشاعروں کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

پتہ:۔

۲۳۴/۷ نیو ریلوے روڈ گوڑگاؤں۔ ہریانہ۔

غزلیں

جب بھی دل پر چوٹ لگے ہے
اشکوں کا دریا سا بہے ہے

جیون کے سُونے رستے میں
تنہائی کا ناگ ڈسے ہے

کس کو سنا میں دل کی کہانی
غم کے فسانے کون سنے ہے

جس کافر پر ہم مرتے ہیں
اس کے دل میں غیر بسے ہے

اجڑا پڑا ہے شہرِ تمنا
شہرِ خموشاں رشک کرے ہے

رستا ہوا ناسور ہوں یارو
پیار کا پھاہا کون دھرے ہے

دنیا خوشیوں کی ساتھی ہے
کون کسی کا غم بانٹے ہے

وہ جو تھا دیوان تصوّر
ظالم اکثر یاد آتے ہے

تنہائی کے جنگل میں ہم رات گزارے ہیں
مایوسی و غمناکی لے دے کے سہارے ہیں

ہم گور میں بھی تنہا کب پیر پسارے ہیں
غم، رنج، الم، حرماں مہمان ہمارے ہیں

ہم عشق کے بندے ہیں کیوں دنیا جلے ہم سے
یہ اپنا مقدر ہے یہ اپنے ستارے ہیں

ہاں گردش دوراں نے کیا کیا نہ ستم ڈھائے
گیسو غم جاناں کے ہم نے ہی سنوارے ہیں

مدّت ہوئی اس بت نے جب نظر کرم کی تھی
ہر روز تصوّر میں رہتے وہ نظارے ہیں

○

دل کے زخموں کو ذرا خوب سجائے رکھیئے
غم کے رشتے کو بہر طور بنائے رکھیئے

فرق آئے نہ کہیں اپنی رواداری میں
ہر نئے دور کو سینے سے لگائے رکھیئے

ہم گئے دور کے ہیں لوگ ہمارا کیا ہے
نئی تہذیب کا رنگ جمائے رکھیئے

ان حسیں یادوں سے آباد ہے دنیا دل کی
ان حسیں یادوں کو سینے میں چھپائے رکھیئے

قافلے والے پریشان ہیں رہبر نادان
اپنے مولا پہ ہی اب آس لگائے رکھیئے

ہائے وہ لوگ فرشتہ تھے کہاں ہو گئے گم
خود کو بٹ ماروں سے ہر گام بچائے رکھیئے

تذکرہ اپنا مکمل ہی کہاں ہوتا ہے
ایک گلرو کو تصور میں بسائے رکھیئے

جنونِ عاشقانِ راز بھی کچھ کم نہیں ہوتا
حضورِ شمع پروانوں کو کوئی غم نہیں ہوتا

تہی دستوں کا رتبہ اہلِ دولت سے زیادہ ہے
یہ وہ خود دار ہیں سر جن کا ہرگز خم نہیں ہوتا

کسی کی یاد سے قلبِ حزیں اپنا منور ہے
یہ وہ نورِ ازل ہے جو کبھی مدھم نہیں ہوتا

دلِ مہجور پر رہتی ہے اک افسردگی ہر دم
کبھی اس غم کدے میں دوسرا عالم نہیں ہوتا

ہمارے بعد یاتیں ہی ہماری یاد آئیں گی
ہمارے مرتبے کا ہر بنی آدم نہیں ہوتا

غرض رکھتے ہیں مے سے ساغرِ زریں سے کیا مطلب
ہمیں معلوم ہے ہر جام جامِ جم نہیں ہوتا

تصورِ حضرتِ انورؔ کے فیضِ خاص کے صدقے
مرا سر ہر کس و ناکس کے آگے خم نہیں ہوتا

ڈاکٹر جاوید وششٹ

ڈاکٹر شیو پرشاد وششٹ جاوید کی پیدائش ۵ رجون ۱۹۲۰ء کو فتح پور بلوچ ضلع فرید آباد (ہریانہ) میں ہوئی۔ آپ نے دہلی یونیورسٹی سے ایم۔ اے (اردو) اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے پی۔ ایچ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی۔ جاوید صاحب ڈاکٹر ذاکر حسین کالج دہلی میں شعبۂ اردو کے صدر بھی رہے ہیں۔ ایک سال تک ۸۷۔۱۹۸۶ء میں ہریانہ اردو اکادمی کے سکریٹری بھی رہے ہیں۔

جاوید صاحب نے دکنیات کے سلسلہ میں نہایت اہم ادبی کام کیا ہے۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۸۷ء تک آپ کی آٹھ مطبوعات شائع ہوئیں۔

"قصۂ حسن و دل" (ملا وجہی نثر ۱۹۶۵ء) "غزال رعنا" (انتخاب غزلیات محمد قلی نظم) ۱۹۶۸ء "روپ رس" (محمد قلی کی رومانی شاعری کا انتخاب نظم) ۱۹۷۱ء "ملا وجہی کے انشائیے" (نثر) ۱۹۷۲ء "سب رس کا قصۂ حسن و دل (ملا وجہی، نثر) ۱۹۷۳ء، "ملا وجہی" (نثر) ۱۹۸۴ء "محمد قلی اور نبی کا صدقہ" (نثر) ۱۹۸۶ء "بحر المعانی (دکنی لغت) نثر ۱۹۸۷ء۔

دیگر تصانیف میں "شعلۂ تشنگی" (مجموعۂ کلام) ۱۹۶۳ء "ایک تبسم ایک نظر" (مجموعہ کلام) ۱۹۷۷ء "انشائیہ پچیسی" ۸۵ء اور "ہریانوی برج کے میگھ ملہار" (لوک گیت) ۱۹۸۶ء کی ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی ہے۔ ۱۹۸۵ء میں ہریانہ ساہتیہ اکادمی کے لئے ہریانوی شعراء کے منتخب کلام بہ عنوان "محفل سخن" بھی آپ نے تالیف کیا ہے۔ ان کی تصانیف پر اتر پردیش اردو اکادمی اور ہریانہ ساہتیہ اکادمی نے اعزازات سے نوازا ہے۔ ۱۹۷۳ء میں ہریانہ اسٹیٹ اردو ایوارڈ اور ۱۹۷۸ء میں حالی ایوارڈ بھی ان کو پیش کیا گیا۔ آپ ایک خوش گو اور خوش فکر سخن ور ہیں۔ غزل اور نظم میں ہندی کے مستعمل الفاظ سے ایک خوش گوار فضا پیدا کرنے میں انہیں قدرت حاصل ہے۔ میر کی زمینوں میں شعر گوئی پر مہارت رکھتے ہیں۔ آپ حضرت شمیم کرہانی کے لائق شاگرد ہیں۔

پتہ

وششٹ آشرم۔ فتح پور فرید آباد (ہریانہ) ۱۲۱۰۰۴

جاوید وششٹ

غزل

شعر کے فن کو کامرانی دے
طبع جاوید کو روانی دے

رمزِ تخلیقِ شعر بخش مجھے
شعر فہموں کو نکتہ دانی دے

جذب و احساس آئینہ قندیل
میرے الفاظ کو معانی دے

صد محاکات کو جلا کر کے
نقشِ بہزاد و نقشِ مانی دے

ٹوٹ جاتے ہیں خون کے رشتے
درد سے ان کو زندگانی دے

شر ہی شر کا ہے سامراج یہاں
خیر کی ایک تو نشانی دے

پیاس ان کی بھی کربلائی ہے
پیاسے کھیتوں کو میگھ پانی دے

کر عطا ہم کو درد کی سوغات
غم کے ماروں کو شادمانی دے

جگمگا دے حیات انساں کو
ایسی اک صبح ارغوانی دے

دورِ حاضر میں زندہ رہنے کو
اور کچھ اور سخت جانی دے

تیرا جاوید سر بسجدہ ہے
سرفرازی کو جاودانی دے

غزل

آدمی خاکی ہے وہ نوری نہیں
اک ادھوری بات ہے پوری نہیں

ہم سے پوچھو! اس دیارِ حسن کی
کون سی صورت ہے جو گھوری نہیں

جب ملاقاتیں ہوں اپنے آپ سے
پاس منزل ہے، کوئی دوری نہیں

کون حق بولے گا کالے دور میں
دار پر اب جذبِ منصوری نہیں

بوریا اپنا بھی ہے تختِ شہی
شانِ درویشی ہے، فغفوری نہیں

شیخ! میرے جام میں تیرے لئے
بادۂ کوثر ہے، انگوری نہیں

شعر کا الہام سے ہے رابطہ
شاعری جاوید مزدوری نہیں

گھپ اندھیرا ہے آشیانوں میں
روشنی ہے شراب خانوں میں

تیری سیرت کے تیری صورت کے
تذکرے ہیں مزاج دانوں میں

امتیاز نگاہ کی خاطر
زندگی بٹ گئی ہے خانوں میں

آگہی موجب پریشانی
زلزلے ہیں ہماری جانوں میں

ہم یہ اپنی زباں سے کیسے کہیں
ہیں پرائے بہت یگانوں میں

رہزنی کے بھی بن گئے دستور
ان کے چرچے ہیں آسمانوں میں

کل ہی جاوید نے سنائی تھی
وہ غزل گونجتی ہے کانوں میں

ان کے شیشے میں بال سا کچھ ہے
اپنے دل میں ملال سا کچھ ہے

وہ حسیں چہرہ آج آنکھوں میں
خواب سا کچھ، خیال سا کچھ ہے

دھڑکنوں کو جواب کی ہے فکر
دل میں پیہم سوال سا کچھ ہے

ہم نے دیدار کر لیا یارو!
جامِ دل میں جمال سا کچھ ہے

شعرِ جاوید سن کے وہ بولے
اس کے فن میں کمال سا کچھ ہے

○

میرے شیشے میں موج صہبا کی
جیسے تصویر ہو تمنّا کی

گل کو بخشے ہے تازگی کیا کیا
چشم شبنم کی نرم نمناکی!

دل کے دامن میں پھول زخموں کے
مہربانی ہے اس مسیحا کی

یاد شداد کی دلاتا ہے
آج کا دور جبر و سفّاکی

جو نہیں جانتے کہ بوند ہے کیا
وہ بھی کرتے ہیں بات دریا کی

آدمی خیر و شر کا سنگم ہے
روح نوری ہے جسم ہے خاکی

جگدیش جین

جگدیش جین کی پیدائش ۱۹۲۲ء کو پلول (ہریانہ) میں ہوئی آپ کے والد مرحوم جناب الفت رائے دہلی کے محکمۂ ڈاک وتار میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ جگدیش صاحب کی ابتدائی تعلیم دہلی میں ہوئی۔ بعد ازاں آپ موگہ ضلع فیروزپور سے میٹرک لاہور (پاکستان) سے انٹر اور دہلی سے بی۔اے کیا۔ ۱۹۴۰ء میں آپ نے فوج میں ملازمت کر لی۔ ۱۹۴۵ء میں ان کا تقرر سینٹرل ٹیلی گراف دہلی کے محکمہ میں ہوا۔ اور یہیں سے بحیثیت سپرنٹینڈنٹ ۱۹۸۱ء میں ریٹائر ہوئے۔

شعر و شاعری کا شوق آپ کو طالب علمی کے زمانے میں پیدا ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ شوق پروان چڑھا۔ ملازمت کے دوران جگدیش صاحب کو حضرتِ شمیم کرہانی کی تربیت ملی جس سے ذوقِ شعری کو مزید تقویت پہنچی۔ جگدیش صاحب نے رہنمائی سخن کے لئے جناب ساحر صاحب سے رجوع کیا۔ آپ برہما نند جلیس سے بھی مشورۂ سخن کر لیتے ہیں۔ جگدیش صاحب کی پسندیدہ صنف سخن غزل ہے۔ آجکل آپ اپنی غزلوں کا مجموعہ ترتیب دے رہے ہیں۔

جگدیش صاحب اردو کے فروغ میں دامے، درمے، سخنے اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔

پتہ

ایچ۔۱۵ گرین پارک نئی دہلی۔ ۱۶

جگدیش جین

پیکرِ خاک سے اٹھے ہیں پیمبر کتنے
قطرۂ آب سے پیدا ہوئے گوہر کتنے

کس طرح کہئے کہ ہے خانۂ ویراں یہ دل
عکس ہیں اس میں تمناؤں کے لشکر کتنے

لوگ کہتے ہیں نہیں ان کی زباں ہی کوئی
ہم نے دیکھے ہیں یہاں بولتے پتھر کتنے

مختصر یہ کہ ابھی تک ہمیں منزل نہ ملی
یہ نہ پوچھو کہ ملے راہ میں رہبر کتنے

جن کو الفاظ بھی چھوتے ہوئے تھراتے ہیں
ہم نے دیکھے ہیں یہاں ایسے بھی منظر کتنے

حضرتِ خضر کو یہ راز بھلا کیا معلوم
زندہ ہو جاتے ہیں اس دہر میں مر کر کتنے

لوگ پھولوں کو مسل دیتے ہیں جگدیش جہاں
ہم نے سینے سے لگائے وہاں پتھر کتنے

پینے والا ہو تو مل جاتے ہیں میخانے بہت
شرط اوّل مے ہے ساغر اور پیمانے بہت

پھوٹ نکلے ہیں یہ کس وحشی کے چھالے اے ندیم
کھل اٹھے گلشن جہاں کل تک تھے ویرانے بہت

دیکھنے والے میسر چشم بینا ہے تو دیکھ
بستیاں کم ہو گئی ہیں اور ویرانے بہت

دور ہی مجھ سے رہے ہیں دورِ مشکل میں حبیب
کام ایسے وقت میں آتے ہیں بیگانے بہت

بحرِ ہستی میں کنارا کس کو ہوتا ہے نصیب
ناؤ کاغذ کی یہاں آتے ہیں تیرانے بہت

دیکھیے کس کے مقدر میں ہے تخلیقِ چمن
ڈالنے والے نے ڈالے ہیں یہاں دانے بہت

تشنہ کامی کا نہیں جگدیش اب کوئی گلہ
خیر سے آباد بستی میں ہیں میخانے بہت

دور بدلے گا تو آئیں ئی روایات نئی
بات ہی سے تو نکلتی ہے کوئی بات نئی

گردشِ وقت وہی ہم بھی وہی تم بھی وہی
نظر آتی نہیں دنیا میں کوئی بات نئی

آپ کا حسن نیا ہے نہ مرا عشق نیا
پھر بھی ملتے ہو تو لگتی ہے ملاقات نئی

ہم ہی بدلے ہیں نہ تم بدلے تو پھر بات ہے کیا
نظر آتی ہے جو یہ صورتِ حالات نئی

شمعِ جمہور ہوئی جاتی ہے مدھم جگدیشؔ
سوچنی ہوگی ہمیں طرزِ مساوات نئی

چل پڑو گے تو قدم چومے گی منزل آ کر
تھک کے بیٹھے تو سفر اور بھی لمبا ہو گا

دل کے اس خانۂ تاریک میں رہتے رہتے
میں یہ سمجھا تھا کہ باہر بھی اندھیرا ہو گا

حرف آئے گا تیری ذات پہ اے ساقی بزم
تذکرہ جب بھی میری تشنہ لبی کا ہو گا

مسئلے ہوں گے اگر حل تو جنوں سے ہوں گے
آگہی سے نہ کبھی عقدہ کوئی وا ہو گا

وقت دکھلائے گا جگدیش اک ایسی منزل
بزمِ یاراں میں بھی انسان یہ تنہا ہو گا

ذکرِ بلبل سے نہ ہے ذکرِ گل و گلزار سے
عظمتِ اہلِ ہنر ہے ندرتِ افکار سے

دشمنوں کی دشمنی سے تو رہے آگاہ ہم
ہاں مگر غافل رہے ہر دوستی کے وار سے

شکل و صورت سے نہیں دنیا میں انساں کا وقار
قدر ہے انسان کی انسان کے کردار سے

کتنی صدیوں کے ہیں محرم کتنی یادوں کے امیں
گفتگو کرتا ہوں میں اکثر در و دیوار سے

امتیازِ ملک و ملت امتیازِ نسل و رنگ
دور رہنا ہے ہمیں جگدیش اس دیوار سے

برہمانند جلیسؔ

برہمانند جلیسؔ ۲۸ جنوری ۱۹۳۰ء کو موضع ٹومنہ ضلع روہتک (ہریانہ) میں تولد ہوئے ابتدائی تعلیم نزدیکی قصبہ (کوسلی) ضلع روہتک میں حاصل کی ۱۹۴۷ء میں میٹرک پاس کرکے تلاش معاش میں دہلی آگئے۔ دہلی ہی سے آپنے اردو کی اسناد حاصل کیں۔ اردو کی محبت نے دہلی کی ادبی فضاؤں میں آپ کو شاعر بنادیا اور ذوقِ سخن نے حلقہ تلامذۂ محرومؔ کی سعادت بخشی۔ بعد کو آپ جوشؔ ملسیانی کی خدمت میں آگئے۔ ابتدا میں آپ حقیرؔ تخلص کرتے تھے۔ جوشؔ صاحب کی تحریک ہی پر آپ نے جلیسؔ کا تخلص اختیار کیا۔ آپ ۲۰ برس سے خدمت اردو ادب انجام دے رہے ہیں۔ راجدھانی دہلی اور گردونواح کی ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ "حلقہ تشنگانِ ادب" نئی دلی کے اہم رکن ہیں اور مختلف ادبی تنظیموں سے بھی وابستگی ہے۔ آپ کے کلام میں دبستانِ داغؔ کی صالح اور صحت مند روایات کا احترام ملتا ہے۔ زبان سادہ اور انداز بیان میں ندرت ہے۔

پتہ

۲۹۷ شالی مار باغ۔ دہلی ۵۲

برہمانند جلیس

غزلیں

جوشِ وحشت میں ہے یہ حالِ پریشاں اپنا
چاک دامن ہے کبھی چاک گریباں اپنا

بدحواسی میں نہ بدلی کبھی وحشت اپنی
نہ ہوا ہم سے کبھی چاک گریباں اپنا

روشنی دے نہ سکے جل کے بھی داغوں کے چراغ
نامکمل ہی رہا جشنِ چراغاں اپنا

نہ کوئی نخل تمنّا نہ کوئی نخل امید
گلشنِ زیست ہے ہم رنگِ بیاباں اپنا

اپنی وحشت ہی ہوئی باعثِ بربادیِ دل
اپنے ہاتھوں ہی ہوا چاک گریباں اپنا

کوئی مونس تھا نہ غمخوار زمانے میں جلیس
ہم سناتے بھی کسے حالِ پریشاں اپنا

○

منزل ہی کوئی ہے نہ کوئی راہ گزر ہے
پھر بھی جسے دیکھو وہی سرگرمِ سفر ہے

ملتا ہے فنا سے بھی مجھے درسِ بقا کا
تاریکیِ شب بھی مجھے تنویرِ سحر ہے

بے مایہ ہی دیکھا ہے اسے ہم نے جہاں میں
جس شخص کے دامن میں کو جنسِ ہنر ہے

کیا تیز روی ہے تری اے عمرِ گریزاں
صدیوں کا سفر بھی مجھے لمحوں کا سفر ہے

نازاں ہیں جلیس آپ تو کس بات پہ حضرت
کیا آپ کے پلّے کوئی فن کوئی ہنر ہے

○

یوں تو لاکھوں تیرے جلووں کے تمنائی ملے
ہاں مگر کم تیرے عاشق تیرے سودائی ملے

ہم تبرک ہی سمجھتے ہیں اسے اے دوستو
عشق میں شہرت ملے ہم کو کہ رسوائی ملے

جس طرح باہم ملیں بچھڑے ہوئے دو آشنا
تجھسے ہم اکثر یوں ہی اے شامِ تنہائی ملے

چاہیئے چھوٹوں سے پیش آنا بڑوں کو اس طرح
جس طرح جھک کر زمیں سے چرخِ مینائی ملے

مہر و مہ کو روز و شب شاید یہی ہے جستجو
تیرے جلوے، تیرے عشوے تیری رعنائی ملے

پھولئے ہرگز نہ اِس موہوم ہستی پر جلیسؔ
شوکتِ اسکندری یا شانِ دارائی ملے

○

داستانِ شمع بھی یا قصۂ پروانہ تھا
انجمن میں عشق ہی عنوانِ ہر افسانہ تھا

زائرِ کعبہ نہ مشتاقِ بت و بت خانہ تھا
میں خود اپنے نقشِ پائے شوق کا دیوانہ تھا

میری ہستی تھی بہ ذاتِ خود مکمّل میکدہ
میں کبھی شیشہ کبھی ساغر کبھی پیمانہ تھا

جستجوئے دیر و کعبہ سے ہوا ظاہر یہی
میں حقیقت میں خود اپنی ذات سے بیگانہ تھا

بدگمانی سے ہوا اپنے پرائے کا گماں
ورنہ اپنا تھا نہ دنیا میں کوئی بیگانہ تھا

پیش جان و دل کئے میں نے تو فرمانے لگے
بس یہی سوغاتِ الفت تھی یہی نذرانہ تھا

محفلِ ہستی میں دیکھا ہے یہی ہم نے جلیسؔ
جس کو جتنا ہوش تھا اتنا ہی وہ دیوانہ تھا

مسرت کو مسرت اور غم کو غم سمجھتے ہیں
وہ ناداں زندگی کا راز اکثر کم سمجھتے ہیں

حقیقت میں وہی رازِ حقیقت سے ہیں ناواقف
جنہیں دعویٰ ہے یہ "رازِ حقیقت ہم سمجھتے ہیں

نہیں حاجت ہمیں اے چارہ ساز و سازی کی
ہم اپنے درد ہی کو درد کا مرہم سمجھتے ہیں

یہ کیسا راز ہے ان کے ہمارے درمیاں یارب
نہ جس کو وہ سمجھتے ہیں نہ جس کو ہم سمجھتے ہیں

ترا جھکنا بھی اے گردوں کوئی فتنہ اٹھانا ہے
تری چالوں کو ہم اے دشمنِ عالم سمجھتے ہیں

سمجھتے ہیں جلیس اب آپ تو عالم کو بیگانہ
مگر ہم آپ کو بیگانۂ عالم سمجھتے ہیں

خموش سرحدی

جناب گوبند داس خموش کی پیدائش ۲۲ مارچ ۱۹۱۶ء کو صوبہ سرحد (پاکستان) میں ہوئی
خموش صاحب نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تقسیم ملک کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے
اور فرید آباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ کو شاعری کا شوق دورانِ تعلیم پیدا ہوا۔ آگے بڑھ کر یہ
شوق پروان چڑھا۔ آپ جملہ تصانیفِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ خموش صاحب کا شمار ہریانہ
کے بزرگ شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ کے کلام میں پختگی اور برجستگی ہے۔ موصوف سیماب اکبر آبادی کے شاگرد
ہیں۔ آپ کی پہلی تصنیف "نغمہ و فریاد" شائع ہوئی جو برطانوی سرکار نے چھپتے ہی ضبط کرلی۔ آپ
نے شعراء ہریانہ کے کلام کا انتخاب "بزم" کے نام سے بھی مرتب کیا ہے

خموش صاحب خدائی خدمت گار تحریک کے سرگرم رکن ہیں اور خدمتِ خلق کو اپنا آدرش
مانتے ہیں۔ کافی مدت آپ برطانوی حکومت کی بربریت کا نشانہ رہے۔ برطانوی سرکار نے آپ
کو باغی شاعر قرار دیا۔ خدائی خدمت گاروں پر حکومت نے پابندی ختم کی تو آپ کو ادبی اور سیاسی
خدمات کے اعتراف میں سینیر سیٹیزن آف انڈیا "مجاہد آزادی" اور فدائے سخن" کے اعزازات
سے نوازا گیا۔

صوبہ سرحد کی تواریخ آزادی میں ان کی ادبی سیاسی اور عوامی خدمات کا تفصیلی ذکر ہے
ہے۔ ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد تلامذہ کی اصلاح میں مشغول و مصروف رہتے ہیں۔ آپ
ادبی سنگم" فرید آباد کے سرپرست ہیں۔ ان کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے
رہتے ہیں۔

پتہ

۱۔ اے/ ۵۔ اے نیو ٹاؤن فرید آباد

خموشؔ سرحدی

نہ تھی جو گفتنی اپنوں سے، بیگانوں میں کہہ ڈالی
حرم کی داستاں، کس نے صنم خانوں میں کہہ ڈالی

خلافِ ضبطِ مستی کا وہ عالم تھا کہ برجستہ
جنوں کی بات کھل کر ہم نے فرزانوں میں کہہ ڈالی

تعجب ہے رموزِ زندگی کی شرح مستوں نے
غزل خوانوں میں کر ڈالی، سخن دانوں میں کہہ ڈالی

جنوں سا چھا گیا ہے کائناتِ عقل و دانش پر
یہ کس نے پھر حدیثِ شوق دیوانوں میں کہہ ڈالی

یہاں کا ذرہ ذرہ مطمئن تھا اپنی حالت پر
حقیقت بستیوں کی کس نے ویرانوں میں کہہ ڈالی

نہ دیکھی صورتِ اظہار جب کوئی تو مجبوراً
حقیقت اپنے دل کی ہم نے افسانوں میں کہہ ڈالی

خموشؔ اب کچھ بھی ہو اس ناموافق دور میں لیکن
ہمیں جو بات کہنی تھی وہ انسانوں میں کہہ ڈالی

غزل

لطافتِ گل کا حشر کیا ہو اب آگے چل کے خدا ہی جانے
کہ جس کے دامن میں بجلیاں تھیں وہ ابرِ خونبار چھٹ گیا ہے

وہ یادگارِ جنوں تھا شاید ملی تھی روح دوام اس کو
حیاتِ فانی کا ایک لمحہ جو موت پر بھی جھپٹ گیا ہے

اصولِ فطرت میں اب نہیں ہے کسی بھی ترمیم کی ضرورت
نگاہِ ساقی کی ایک جنبش سے وقت کا رخ پلٹ گیا ہے

میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں ہر ایک صورت میں روپ اپنا
وہ کوئی میری طرح تھا شاید جو ساری دنیا میں بٹ گیا ہے

خموش فتنے بپا ہوئے ہیں رموزِ حکمت کی انجمن میں
یہ کون دیوانہ وار آ کر نقابِ ہستی الٹ گیا ہے

غزل

پھبتیاں اڑاتا ہوں، ہر نئے زمانے پر
انقلاب جھکتے ہیں میرے آستانے پر

اضطراب طاری ہے کس لئے زمانے پر
بجلیاں لپکتی ہیں میرے آشیانے پر

ایک دل کے جھکنے پر کائنات جھکتی ہے
عام ہو گئے سجدے میرے سر جھکانے پر

کارگاہ عالم میں مشکلیں مسلسل تھیں
زندگی رکی آخر موت کے بہانے پر

میں نے بھی خموشی سے آخر اک زمانہ دیکھا ہے
پھر کوئی بہ ضد کیوں ہو مجھ کو آزمانے پر؟

غزل

جمالِ زندگی کا رازداں ہوں، میرے پہلو میں
دلِ دنیا طلب بھی خاطرِ بے مُدّعا ہے

وہی مردِ قلندر، جس کی ٹھوکر میں زمانہ ہے
گدائے کج ادا بھی اور شاہِ بے نوا بھی ہے

غریبوں مفلسوں کا جو سہارا ہے حقیقت میں
وہی انسان بھی ہے دیوتا بھی ہے خدا بھی ہے

بھروسہ ہے جسے تیری نگاہِ ناز پر دل سے
ستم ناآشنا بھی ہے وہی غم آشنا بھی ہے

یہی دنیا ہے جنت بھی یہی دنیا ہے دوزخ بھی
اسی دنیا میں انساں بھی ہے شیطاں بھی خدا بھی ہے

نظم

ذہن میں شورشِ بیدارِ تمنا ہی سہی
آنکھ میں سرخیٔ آثارِ تمنا ہی سہی
دل میں کیفیتِ اسرارِ تمنا ہی سہی
روح میں جلوۂ انوارِ تمنا ہی سہی
یعنی میں گردشِ پرکارِ تمنا ہی سہی

پھر بھی اے جانِ تمنا مری منزل ہے کہاں
میری تخئیل میں تیرا ہی شبستاں تو نہیں

دور سنسان گذرگاہوں سے لپٹی ہوئی شام
اور ویران فضاؤں میں ستاروں کے پیام
زندگانی کے نئے موڑ، وہ خطرے کے مقام
آہ کیا ہوگا، مرے عزمِ سفر کا انجام

میں مسافر تو ہوں لیکن مری منزل ہے کہاں
میری نظروں میں کوئی خاص شبستاں تو نہیں

حکیم خوشدل جگادھروی

دیویدت شرما خوشدل کا شمار ہریانہ کے بزرگ شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۳ر فروری ۱۹۱۲ء کو جگادھری کے ایک برہمن خاندان میں تولد ہوئے۔

خوشدل صاحب کو شاعری کا شوق اوائل عمری میں پیدا ہوا۔ آپ قدیم رنگِ سخن میں شعر کہتے ہیں اور جذبات کا اظہار کرنے میں کامیاب ہیں۔ غزل آپ کی محبوب صنفِ سخن ہے۔ "بزم" (تذکرہ شعراء ہریانہ) اور "محفل سخن" (تذکرہ شعراء ہریانہ) میں آپ کا کلام شامل ہے۔ خوشدل صاحب کا جگادھری کے مشہور اطبا میں شمار ہوتا ہے۔

پتہ

بوریا گیٹ۔ جگادھری

حکیم ڈی. ڈی شرما خوشدل

غزلیں

خدا رکھے یہاں تک بڑھ گئی دل کی فراوانی
کہ ہے ناداریوں میں بھی مسلسل غم کی مہمانی

زمیں کو ہے وہی گردش وہی چکر فلک کے ہیں
وہی میں ہوں وہی آٹھوں پہر کی ہے پریشانی

قفس میں چین ہے ہم کو نہ گلشن میں سکوں حاصل
یہاں تک رنگ لائی ہے ہماری خانہ ویرانی

نشیمن ہے نہ گلشن ہے بہاریں ہیں نہ ہیں نغمے
مگر جاتی نہیں اب بھی فلک کی فتنہ سامانی

میرا سکہ بیابانوں کی ہر وادی میں جاری ہے
خدا رکھے بہاروں پر ہے میری چاکدامانی

سفینہ نبض و دل کا ڈوبنے والا ہے اے خوشدل
یہاں تک بڑھ گئی ہے آجکل اشکوں کی طغیانی

O

کبھی مشقِ ستم بن کر کبھی مشقِ جفا ہو کر
مجھے جس حال میں رکھا رہا تیری رضا ہو کر

یہ کس کی مست نظروں نے ربابِ زندگی چھیڑا
کہ جاگ اٹھا ہے ہر تارِ نفس ان کی صدا ہو کر

جلاتا آشیاں میرا اگر مجھ سے عداوت تھی
لگا دی آگ کیوں گلشن میں اے گلچیں خفا ہو کر

الٰہی خیر دل کی دھڑکنیں کچھ اور کہتی ہیں
رہے گا آج ان کا اور میرا سامنا ہو کر

یہاں تک کاش طے کر لوں حدودِ حسن وحشت کو
کہ نکلے بد دعا صیاد کے حق میں دعا ہو کر

شکایت کیا ہو موجوں کی گلہ طوفاں کا کس سے
ڈبویا خود میرے دل نے ہی مجھ کو ناخدا ہو کر

زباں سے اُف نہ کی خوشدل بھلا شکوہ تو کیا کرتے
ہزاروں ہم نے غم جھیلے رہے ان کی رضا ہو کر

سنا ہے گل بھی ہیں کلیاں بھی غنچے بھی ہیں گلشن میں
مگر ہم خار ہی لے کر چلے ہیں اپنے دامن میں

جلا سکتی نہیں ہے ایک تنکا برق سوزاں بھی
ہزاروں بجلیاں ہیں بخارب تعمیر نشیمن میں

خزاں آئے جنوں ساما نیوں کو دفن کر ڈالیں
گریباں کا جنازہ ہم لئے پھرتے ہیں دامن میں

چندر پرکاش دوست بھاردواج

چندر پرکاش دوست بھاردواج کی پیدائش ۲۲؍اگست ۱۹۲۵ء کو پیہوہ (ہریانہ) میں پنڈت رام چندر بھاردواج کے یہاں ہوئی۔ آپ نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی اور ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ روزنامہ "ہند سماچار" جالندھر میں آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی۔ دوست صاحب امر چند قیس جالندھری کے شاگرد ہیں۔ دوست ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد آج کل اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔

آپ جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں لیکن آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔ آپ کے کلام میں سادگی اور روانی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ دوست صاحب ادبی، سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ کوروکشیتر میں آپ نے "ادبی سنگم" کی داغ بیل ڈالی۔ دوست صاحب اردو کے فروغ میں کوشاں رہتے ہیں۔ اور خواہش مند طلبار کے لئے اردو کی مفت تعلیم کا انتظام کرتے ہیں۔ آپ کا کلام ملک کے مختلف رسالوں اور اخباروں میں چھپتا رہتا ہے۔

پتہ

۸۶۹ سیکٹر ۱۳ ہاؤسنگ بورڈ کالونی کوروکشیتر (ہریانہ)

انھیں احساس بھی ہے، پاس بھی ہے میری الفت کا
نگاہیں انکی خود کہتی تھیں ہم کہتے تو کیا کہتے!

وہ آئے روبرو تو آہِ دل سے آگئی لب پر
ہم اس سے مختصر رودادِ غم کہتے تو کیا کہتے

انھیں سے ان کو مانگا دیکھئے حسنِ طلب اپنا
سوالی بن گئے جب اس سے ہم کہتے تو کیا کہتے

تبسم سے جھکی نظروں سے، ربطِ خاص ظاہر تھا
اب اس سے بیشتر اہلِ کرم کہتے تو کیا کہتے

○

کلیجا تھام کر سب رہ گئے تو نے جدھر دیکھا
سرِ محفل ترا یہ سحر اے سرخوش نظر دیکھا

کسی نے آج تک اس کو نہیں دیکھا کہیں پھر بھی
اسی کا جلوہ پایا روبرو جس نے جدھر دیکھا

وہ پہلی سی انا باقی کہاں اہلِ ہنر میں اب
سرِ بازار بکتے ہر طرف ہم نے ہنر دیکھا

غنیمت سے سوا ہے یہ ادا بھی اس وفاکش کی
ہمیں دیکھا تو اس نے خواہ سب کو دیکھ کر دیکھا

خدا جانے یہ تجدیدِ محبت ہے کہ دھوکا ہے
تجھے اے دوست آج اس نے جو سب کو چھوڑ کر دیکھا

○

تیری یادوں کی روشنی کے نثار
میری راہوں میں ضو فشانی کی

کس توقع پہ ہاتھ پھیلاؤں
آپ نے کس پہ مہربانی کی

تیری دریا دلی کا کیا کہنا
جیسے پیاسے کو بوند پانی کی

کچے گھڑے لے گیا بہا کر ساتھ
اور اوقات کیا تھی پانی کی

○

یہ کس کا حسن نظروں میں سمایا
جہاں میں پھر کسی پر دل نہ آیا

خیال آیا یہ کس کا بے خودی میں
خیال اپنا مجھے رہ رہ کے آیا

رہا مانوس دل ان کے ستم سے
کرم ان کا ہمیں کب راس آیا

بھلا بیٹھے ہم اپنے آپ کو بھی
کوئی بھولا ہو کیا یاد آیا

دل و جاں خود ہی دے کر ہیں نے اے دوست
دل و جاں کا انھیں دشمن بنایا

خواب میں ان سے بات ہوتی ہے
یوں بسر اپنی رات ہوتی ہے

چشم ساقی سے جتنی مل جائے
حاصل کائنات ہوتی ہے

ہو کے رہتی ہے وقت آنے پر
ہونے والی جو بات ہوتی ہے

بول اٹھتی ہے آنکھ دل کا حال
دیکھئے یوں بھی بات ہوتی ہے

جس پہ دن کا گماں ہو دل کو
ایک ایسی بھی رات ہوتی ہے

عزم محکم کے پاؤں پر اے دوست
سرنگوں کائنات ہوتی ہے

کشمیری لال ذاکر

موجودہ صدی کے صفحہ اوّل کے ہندی، اردو اور پنجابی زبان کے ادیبوں کی فہرست میں جناب کشمیری لال ذاکر کا شمار اعزاز کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ذاکر صاحب کی پیدائش ۷/اپریل ۱۹۱۹ء کو ضلع گجرات (پاکستان) میں شری گوردا س رام کے یہاں ہوئی۔ آپ نے ایم۔ اے انگریزی اور بی۔ ٹی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اور سرکاری ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ ذاکر صاحب نے اردو افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی تاریخ میں زبان و بیان کو ایک نئی سمت دی ہے۔ اوائل عمری ہی سے آپ سخن گوئی کی طرف بھی مائل رہے ہیں۔ غزل بھی کہتے ہیں اور قطعہ بھی چونکہ غزل آپ کی محبوب صنف سخن ہے لہٰذا قطعات میں غزلیہ رنگ ہی کا تاثر پایا جاتا ہے۔ افسانوی فضا کا طلسم ان کے اشعار میں عکس فگن ہے اور قوت اظہار و بیان کو کشادگی سے آشنا کرتا ہے۔ آپ ایک خوش گو اور خوش فکر صاحب سخن ہیں۔

ذاکر صاحب ادبی اور ثقافتی وفد کے رکن کی حیثیت سے بیرونِ ملک کی سیاحت بھی کر چکے ہیں۔ گذشتہ نصف صدی سے آپ لوح و قلم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ذاکر صاحب اب تک ہندی، اردو، انگریزی اور پنجابی میں ۵۰ کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جنمیں کچھ حسب ذیل ہیں۔

ناول :۔ "سندور کی راکھ" "دھرتی سدا سہاگن" "ایک لڑکی بھٹکی ہوئی" "انگوٹھے" کا نشان" "خون پھر خون ہے" "کھجوراہو کی ایک رات" "ایک شہر ایک محبوبہ" "تین چہرے ایک سوال" "لمحوں میں بکھری زندگی" "کرماں والی" "جاتی ہوئی رت" "سمندر صلیب اور وہ" "ڈوبتے سورج کی کتھا" "فراز" "میرا گاؤں میری زندگی" "مجھے جینے کا حق مل گیا"۔

افسانوی :۔ "جب کشمیر جل رہا تھا" "ذاکر کی تین کہانیاں" "اداس شام کے آخری لمحے" "ایک کرن روشنی کی"۔ ڈرامے :۔ "ہمسایہ" نظم :۔ "الفاظ بولتے بھی ہیں" "چھوٹی سی بات"۔ ذاکر صاحب کو مجموعی ادبی خدمات کے اعتراف میں ملک کے مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے قومی و ریاستی اعزازات بھی مل چکے ہیں جن میں ۱۹۸۶ء کا غالب ایوارڈ بھی شامل ہے۔ آپ مختلف ادبی تنظیموں کے روحِ رواں ہیں۔ ہریانہ اردو اکادمی سے بھی آپ بحیثیت سکریٹری وابستہ ہیں۔

پتہ :۔ ۲۶ سیکٹر اے ۵، چنڈی گڑھ۔

کشمیری لال ذاکرؔ

جواب شبنم سے مجھ کو دھو رہا ہے
مجھے اس نے جلایا بھی بہت ہے

مرے کردار مجھ سے مطمئن ہیں
انھیں میں نے سجایا بھی بہت ہے

یہ گلیاں اس کو اتنا ڈھونڈتی ہیں
وہ ان گلیوں میں آیا بھی بہت ہے

وہ تپتی ریت پر کچھ دیر سو لے
وہ دریا میں نہایا بھی بہت ہے

مرا دامن بھگو کر آج اس نے
مرا دامن جلایا بھی بہت ہے

غزل

اک گھر میں رہ رہے تھے ہم، اتنا لگاؤ تھا
ملتے تھے مسکرا کے، فقط رکھ رکھاؤ تھا

لفظوں کی ایک بھیڑ تھی، باہر جمی ہوئی
لمحوں کی سرد رات تھی، دل کا الاؤ تھا

ہم اہلِ دل، بس اسکی طرف دیکھتے رہے
اس کی ہر اک بات میں، کتنا رچاؤ تھا

سانسوں کی نرم آنچ تھی، ہونٹوں کے آس پاس
ورنہ اندھیری رات میں کتنا جماؤ تھا

ہم ہی کسی بہار کے خوابوں میں کھو گئے
کلیاں بکھیرنا تو بس، اس کا سبھاؤ تھا

پھولوں کو چومتے ہوئے، شبنم سے جل گیا
اس آدمی کے ذہن میں، کیا رکھ رکھاؤ تھا

غزل

آج جو شخص تری بزم میں لاثانی ہے
خود ہی مر جائے گا کل شام، جو تنہا ہوگا

وہ چلا جائے گا زخموں کی تجارت کر کے
مدتوں شہر میں اس شخص کا چرچا ہوگا

اپنے پہلو میں پڑا ڈھونڈ رہا ہوں خود کو
میرے اس کرب کو کس آنکھ نے دیکھا ہوگا

میں جسے چھوڑ کے پردیس چلا آیا تھا
جانے کس شہر میں وہ چاند چمکتا ہوگا

اس کا قصور تھا کہ بڑا سادہ دل تھا وہ
میرا یہ جرم تھا کہ بہت سوچتا تھا میں

اس کو تو منزلوں پہ پہنچنے کی فکر تھی
رستے میں بار بار جسے روکتا تھا میں

اب میرے لفظ لفظ پر اس کو یقین ہے
دن میں ہزار بار جسے ٹوکتا تھا میں

اب لمحے اڑ رہے ہیں، مجھے کوئی غم نہیں
ایک وقت تھا جب ان کو بہت روکتا تھا میں

شہرت ملے گی، چار فسانے جو چھپ گئے
اب سوچتا ہوں، کتنا غلط سوچتا تھا میں

شام لال شرما ذوقی لدھیانوی

شام لال شرما نام ذوقی تخلص ۳۱ر اگست ۱۹۲۳ء کو پٹیالہ کے نواحی گاؤں صاحب نگر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایف۔ اے اور ادیب فاضل کی اسناد حاصل کیں اور دستکاری کو ذریعہ معاش بنایا۔ ان کے والد سنسکرت کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے اردو کی تعلیم عبدالکریم صاحب سے پائی۔

ذوقی صاحب نے تحریک آزادی میں علامہ اقبال کی نظمیں بھی اسٹیجوں پر ترنم میں پڑھیں قومی گیت گانے پر آپ کو برطانوی پولیس نے گرفتار کر لیا اور لاہور جیل بھیج دیا۔ جناب دولت رام صابر کی تحریک پر آپ نے اردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ صابر صاحب ہی سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا۔ صابر صاحب کی وفات کے بعد حضرت نسیم نور محلی کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے آپ ہریانہ کے گوشہ نشیں بزرگ شاعر ہیں مزاجاً نام و نمود کی زندگی سے الگ تھلگ رہتے ہیں اور شعر گوئی کے شوق کو نبھاتے جا رہے ہیں۔ آپ کے کلام میں زبان سادہ اور سلیس ہندوستانی محاورے تشبیہات اور تصوف کی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ پانی پت میں آپ مستقل طور پر آباد ہیں۔

پتہ

ایل/۱۳۵ ماڈل ٹاؤن پانی پت

ذوقی لدھیانوی

مری جرأت کہو یا جذبۂ تعمیر کی خواہش
کڑکتی بجلیوں میں بھی بنائے آشیاں رکھ دی

بنایا سنگ دل خالق نے لیکن یہ کیا احساں
تری خاموش آنکھوں میں محبت کی زباں رکھ دی

کھلے ہیں پھول گلشن میں مگر ہیں زرد رو اکثر
بہار آنے سے پہلے کس نے؟ بنیاد خزاں رکھ دی

نقوش پا یہ کس کے ہیں کہ ذرّے جگمگا اٹھے
یہ کس نے آ کے دھرتی پر بنائے کہکشاں رکھ دی

حوادث نے مجھے ذوقی سکھایا ڈھنگ جینے کا
خدا نے زندگی جب حادثوں کے درمیاں رکھ دی.

گو ہنس کے پیار کرتے رہے زندگی سے ہم
آخر کو ہم کنار ہوئے موت ہی سے ہم

پیہم گھٹن ہے دل میں کسی اضطراب کی
اک سانس تک بھی لے نہ سکے خوش دلی سے ہم

بیگانگی کے دور کا اللہ رے ستم
اپنوں میں آج لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

آزادیوں کا دور اجالوں کا دور ہے
لیکن نجات پا نہ سکے تیرگی سے ہم

سرمایۂ حیات ہیں دل میں نقوش غم
کچھ اور مانگتے نہیں ذوقی کسی سے ہم

تیرے خیال سے عشرت کی بات بنتی ہے
میرے خیال سے اک کائنات بنتی ہے

کہیں اندھیرے اجالوں کا روپ لیتے ہیں
کہیں اجالوں سے تاریک رات بنتی ہے

بنے ہوئے بھی مقدر بگڑتے دیکھے ہیں
ترا کرم ہو تو بگڑی بھی بات بنتی ہے

جنونِ عشق کی سرحد پہ سجدہ لازم ہے
یہاں تو موت بھی آکر حیات بنتی ہے

ہزار صبحوں کی آنکھوں سے مانگ کر کاجل
ہماری ایک مسرت کی رات بنتی ہے

بڑھاؤ اپنے چلن میں خلوص کو ذوقیؔ
اسی خلوص سے شاعر کی ذات بنتی ہے

گردش آسماں تو سلامت رہے
ہے ازل سے تجھے میرے گھر کا پتا

چھوڑ کر آدمی مہر و اخلاق کو
بھول بیٹھا ہے اپنے ہی گھر کا پتا

آگہی دینے والا تھا میرا جنوں
ورنہ پتھر کو کیا میرے سر کا پتا

کالی راہوں میں سایہ بھی ساتھی نہیں
ہم سفر کو نہیں ہم سفر کا پتا

خوب جنت سے آدم کا اخراج ہے
پوچھتے ہیں فرشتے بشر کا پتا

ظلمت شب کے ماروں کو ذوقی کبھی
مل ہی جائے گا نور سحر کا پتا

اوم کرشن راحت

اوم کرشن راحت ریاستِ ہریانہ کے جانے پہچانے شاعر اور ادیب ہیں۔ ان کا شمار صفحہ اوّل کے افسانہ نگاروں میں بھی ہوتا ہے۔ آپ ۲۷؍جنوری ۱۹۲۵ء کو لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ دورانِ تعلیم شعر و سخن سے دل بستگی ہوئی اور شعور کی منزل تک پہونچتے پہونچتے سخن فہم سے سخن گو ہو گئے پنجاب یونیورسٹی سے آپ نے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اور پھر ہریانہ الکٹرسٹی بورڈ میں ملازم ہو گئے اور اسی محکمے سے سپرنٹینڈنٹ کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آپ نے ۱۷ برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ راحت صاحب کو شاعری کی ترغیب اختر شیرانی کی رومانی نظمیں پڑھ کر ہوئی اختر شیرانی راحت کے والد کے دوست تھے۔ اور جب وہ لدھیانہ جاتے تھے تو ان کا قیام ان کے یہاں ہوتا تھا۔ ابتدائی دور میں دہلی کے ایک طرحی مشاعرے میں ان کی غزل کو سراہا گیا۔ جس سے ان کے شعری ذوق کو مزید تقویت پہونچی۔ لدھیانہ میں ساحر لدھیانوی اور حافظ لدھیانوی کی رفاقت اور صحبت میسر تھی۔ آپ فانی بدایونی، اصغر گونڈوی، یگانہ چنگیزی اور جوش ملیح آبادی کے رنگ سخن سے متاثر ہیں۔ "شفق زار" ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ ہے جس پر مختلف اکادمیوں سے انعام ملا۔ انکا دوسرا مجموعہ "لہو ترنگ" ہریانہ اردو اکادمی کے مالی تعاون سے شائع ہوا۔ راحت صاحب کی شاعری میں معنی آفرینی اور عصری آگہی کی تازگی پائی جاتی ہے۔ آپ ایک خوش فکر شاعر ہیں اور جدید بدلے اسلوب کو برتنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اپنے مشاہدے اور تجربے کا اظہار موثر انداز میں کرنے میں کامیاب ہیں۔

مجموعہ کلام مطبوعات:۔ "سکّے رکھاں دی چھاں" (پنجابی)، "ایک آنکھ کا ہرن" (افسانوی مجموعہ انعام یافتہ) "اپنے مرکز کی طرف" "شفق زار" اور "لہو ترنگ"

پتہ:۔ ۵/۱۵۲ ایل۔ این۔ آئی۔ ٹی۔ فرید آباد

اوم کرشن راحت

غزلیں

چاند کی تابندگی، نورِ سحر لے جائے گا
یہ امیرِ شہر ہے سب کچھ ہی گھر لے جائے گا

میں چھپاتا پھر رہا ہوں آنسوؤں کو جس طرح
میری یہ پونجی بھی کوئی چھین کر لے جائے گا

میکدہ ہے، دیر ہے، کعبہ ہے اور صحرا بھی ہے
دیکھئے اب سیلِ غم ہم کو کدھر لے جائے گا

گر گیا وہ پیڑ جس کے سائے میں کھیلا تھا وہ
اور وہ اب اس کی شاخیں کاٹ کر لے جائے گا

سوچتا ہے گاؤں کا اک شخص آکر شہر میں
وہ یہاں کی جگمگاہٹ اپنے گھر لے جائے گا

پھیکی پڑ جائے گی بزم آرائیاں راحت کے بعد
ساتھ وہ اپنے ہی جینے کا ہنر لے جائے گا

○

ترے جہاں کو خلوص اور پیار بھی میں دوں
خزاں گزیدہ چمن کو بہار بھی میں دوں

ترے صحیفوں پہ سب حاشیئے بھی میں کھینچوں
اور اپنے خون سے نقش و نگار بھی میں دوں

جو آئینے میں جھلکتا ہے عکس میرا ہے
اب اپنی آنکھ کو یہ اعتبار بھی میں دوں

زمانہ مجھ سے محبت کا قرض مانگے ہے
وہ مجھ سے داؤ بھی کھیلے ادھار بھی میں دوں

شجر امید کا دل میں لگا لیا لیکن
وہ چاہتا ہے اسے برگ و بار بھی میں دوں

اسیر درد محبت بھی تو کرے مجھکو
دلِ حزیں! تجھے صبر و قرار بھی میں دوں؟

میں خونِ خلق تو لے لوں گا اپنی گردن پر
اب اس کے ہاتھ میں راحت کثار بھی میں دوں

جستجو میں مری حائل رہے ہے منظر اس کے
راہ سے ہٹتے نہیں ہیں مہ و اختر اس کے

اس کے فرمان بھی سب بھول چکے ہیں لیکن
محوِ حیرت ہوں کہ چرچے بھی ہیں گھر گھر اس کے

فوقیت کس کو ہے کس پر یہ زمانہ جانے
بت تراشی کا ہنر میرا ہے پتھر اس کے

میں تو خاموش تھا ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح
مضطرب کر گئے پھینکے ہوئے کنکر اس کے

دیکھنے ہی نہیں دیتے مجھے اک حد سے پرے
افقِ ذہن پہ پھیلے ہوئے منظر اس کے

ہار لازم تھی مری رزمگہِ ہستی میں
ایک میں اور ہدایات کے لشکر اس کے

ایک انسان ہی نہیں اس کا وگرنہ راحت
آسماں اس کا زمیں اس کی سمندر اس کے

ہر ایک در پہ سر کو پٹکنے کے باوجود
کعبے پہنچ گیا ہوں بھٹکنے کے باوجود

کیا کیجیے کہ گردِ طلب کی جمی رہی
دامان دل کو روز جھٹکنے کے باوجود

شاید کھلی ہے آپ کے آنے سے چاندنی
دھندلی سی لگ رہی تھی چٹکنے کے باوجود

کیسا ہے یہ بہار کا موسم کہ باغ میں
ہنستی نہیں ہیں کلیاں چٹکنے کے باوجود

ہم بھی کتابِ زیست کو پڑھتے چلے گئے
ایک ایک حرفِ غم پہ اٹکنے کے باوجود

انساں نے اپنی زیست سے کیا کیا نہیں کیا
شمشیرِ مرگ سر پہ لٹکنے کے باوجود

قطعات

○

تقدیر کو ہم یوں بھی پلٹ لیتے ہیں
جی میں ہو تو ایسے بھی نپٹ لیتے ہیں
حق اپنا قناعت کی قسم اے راحتؔ
ہم ہاتھ سے غاصب کے جھپٹ لیتے ہیں

○

انسان کا غم لے کے کہاں آیا ہے
تو دیدۂ نم لے کے کہاں آیا ہے
یہ رزمگہہ تیغ و سناں ہے راحتؔ
تو لوح و قلم لے کے کہاں آیا ہے

○

سر تا بہ قدم کانپ رہا ہے راحتؔ
تھک ہار گیا ہانپ رہا ہے راحتؔ
ہر سمت سے آئینہ دکھاتے ہیں گناہ
اب شرم سے منہ ڈھانپ رہا ہے راحتؔ

روی پرکاش بھاردواج

جناب روی پرکاش بھاردواج کا تعلق گوڑگاؤں کے ایک ذی وقار خاندان سے ہے۔ ان کی پیدائش ۲۰؍اگست ۱۹۴۸ء گوڑگاؤں (ہریانہ) میں ہوئی۔ جناب روی بھاردواج نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ روی صاحب جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے شاگرد ہیں۔ آپ کے کلام میں ہندی کے مروج الفاظ بھی ملتے ہیں۔ ملازمت کے دوران کچھ مدت جودھپور میں بھی رہے اور وہاں کی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے وہاں "بزم چکبست" کی داغ بیل ڈالی گوڑگاؤں میں "اردو لٹریچر کلب" قائم کیا۔

آپ کا مجموعۂ کلام "روی کی کرنیں" شائع ہو چکا ہے۔ دوہوں اور غزلیات کے مجموعے زیر ترتیب ہیں۔ آپ کا کلام مختلف رسالوں، اخباروں میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

پتہ

۲۴۲ جواہر نگر نئی ریلوے روڈ گوڑگاؤں۔ ہریانہ

روی بھاردواج

کالے پیلے ہرے ریشمی چتکبرے چمکیلے سانپ
بستی بستی جنگل جنگل دیکھے رنگ رنگیلے سانپ

زلف کے گھیرے گھیرے سائے خواب سنہری یادوں کے
تنہائی میں اکثر ڈستے ہیں یہ کالے پیلے سانپ

کوئی یار نہ کوئی اپنا سب دشمن ہیں سبھی رقیب
میری بانہوں سے لپٹے ہیں زہریلے زہریلے سانپ

رنگ نکھارے روپ سنوارے نئے لبادوں میں ملبوس
گھر گھر میں چھپ کر بیٹھے ہیں کتنے ہی بھڑکیلے سانپ

چاہے مانو انہیں دیوتا چاہے کہو شیطان انہیں
سانپ تو یارو سانپ رہیں گے سانپ ہیں یہ زہریلے سانپ

سپنوں کا سنسار سجائے ایک زمانہ بیت گیا
افسانوں سے دل بہلائے ایک زمانہ بیت گیا

جس نے آس کی جوت جلائی سونے من کے مندر میں
ہمکو وہ تصویر بنائے ایک زمانہ بیت گیا

اب تک ساجن گھر نہیں آئے اور نہ کچھ پیغام ہی آیا
ہم کو کالے کاگ اڑائے ایک زمانہ بیت گیا

لمحہ لمحہ نیا حادثہ پل پل بھولی بسری یاد
وقت سے دھوکا کھاتے کھاتے ایک زمانہ بیت گیا

کانٹوں میں الجھے ہیں اب تک دامن دنیا داروں کے
دھرتی کو تو پھول اگائے ایک زمانہ بیت گیا

جیون کے اندھیارے پتھ میں کہیں روشنی کھوج رہی
دل کو دیپک راگ سنائے ایک زمانہ بیت گیا

بلا سے میں ہوں اچھا یا برا ہوں
میں اپنی زندگی کا آئینہ ہوں

خلاؤں میں ہمیشہ گونجتا ہوں
میں اک ٹوٹے ہوئے پر کی صدا ہوں

میں اپنے جسم کے گنبد میں بیٹھا
تری آواز بن کر گونجتا ہوں

کئی صدیوں سے اپنی جستجو میں
بہ حال زار میں کھویا ہوا ہوں

رہی کی ہے داستاں اتنی سی میری
اندھیرے غار میں جلتا دیا ہوں

سفر میں حادثہ درپیش جس جگہ آیا
وہاں سے میل کا پتھر ذرا سا آگے تھا

نہ جانے کونسا آسیب تھا مرے گھر میں
سنہری دھوپ کا منظر ڈراؤنا سا تھا

ہوس کی گرمیاں پھیلیں جہاں جہاں ہم نے
ہر ایک چاہ کا منظر دھواں دھواں دیکھا

میں اپنی شکل کو پہچانتا رہوں بھی کیسے
کہ میرے سامنے جو آئینہ تھا دھندلا تھا

غلام حسین رئیس نیازی

جناب غلام حسین رئیس نیازی کا تعلق قصبہ بچھراؤں (یوپی) سے ہے۔ آپ ۲۴ راگست ۱۹۲۰ء کو چودھری غلام مصطفےٰ صاحب کے یہاں تولد ہوئے۔ ان کے مورث اعلا کلانور ضلع روہتک کے رہنے والے تھے اور سلطان ابراہیم لودھی کی فوج میں ایک اعلا عہدے پر مامور تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد میں سلطان نے انہیں وسیع عریض جاگیر بچھراؤں ضلع مراد آباد میں عطا کی۔ اسی وقت سے ان کا خاندان یہیں آباد ہے۔

رئیس نیازی کے جد محترم چودھری محمد خاں احسان بچھراؤنی اپنے زمانے کے ممتاز شاعر اور استاد تھے۔ رئیس صاحب نے اردو اور فارسی کی تعلیم احسان صاحب سے اور اپنے چچازاد بھائی مولوی پنڈت جمال الدین صاحب سے حاصل کی۔ مرادآباد سے آپ نے میٹرک کیا شاعری میں آپ نے شاد ان بچھرانوی کی شاگردی قبول کی۔ اس طور پر حکیم مومن خاں مومن کے سلسلۂ تلامذہ سے براہ راست پانچویں پشت ہے۔ غزل کے علاوہ دوسری اصناف سخن میں بھی آپ نے طبع آزمائی کی ہے۔ کلام میں روحانیت اور تصوف کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ قصیدہ گوئی میں بھی رئیس صاحب اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ آپ کے تین شعری مجموعے "شرار سنگ"، "نقش اثر رنگ" اور "گلشن نیرنگ" زیر ترتیب ہیں ۶۸۳ میں آپ کے کلام کا ایک مجموعہ "کیف صد رنگ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ ہریانہ کے بزرگ شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے کئی شاگرد بھی صاحب دیوان ہو چکے ہیں۔ تقریباً دس سال سے آپ سونی پت میں رہ رہے ہیں۔ اور وہاں کی ادبی سرگرمیوں کے روح رواں ہیں۔ آپ ریاستی انجمن ترقی اردو کے نائب صدر بھی ہیں۔

پتہ

۱۴۱۔ تارا نگر سونی پت ہریانہ

غزل

زندگی بھر غم و آلام سے مہلت نہ ملی
پھر بھی دنیا کو مرے لب پہ شکایت نہ ملی

رنگ اور نور تو ہر پھول نے پایا لیکن
صحنِ گلشن میں ہر اک پھول کو نکہت نہ ملی

ایک سے ایک حسیں میری نظر سے گذرا
میں نے جس سے بھی تری صورت نہ ملی

آ گیا لب پہ تہی جام کا شکوہ آخر
چشمِ ساقی میں سبھی کچھ تھا مروّت نہ ملی

یہ حقیقت ہے کہ جویائے محبت تھا رئیس
لیکن اس کو کہیں نازِ بستِ محبّت نہ ملی

غزل

بے رخی کی تو کبھی مجھ سے شناسائی کی
اس نے جس طور بھی چاہا مری رسوائی کی

یہ مرے دیدۂ دیدار طلب شاہد ہیں
میں نے ہر لمحہ ترے غم کی پذیرائی کی

میں کہاں اور کہاں منزلِ تسلیم و رضا
داد دیتا ہوں تمہیں حوصلہ افزائی کی

داغہائے دلِ صد پارہ بھی دیتے نہیں لو
بڑھتی جاتی ہے سیاہی شبِ تنہائی کی

دامنِ ابر پہ اک قوسِ قزح بن جائے
کوئی تصویر تو کھینچے تری انگڑائی کی

وہ کسی کے نہ ہوئے ہیں نہ کبھی ہونگے رئیسؔ
آرزو پھر بھی انہی سے ہے شناسائی کی

غزل

چلا گیا مرا ہمزاد چھوڑ کر تنہا
اندھیری رات میں کرنا پڑا سفر تنہا

ہوا ہوں جب میں کبھی عازمِ سفر تنہا
رہی ہے تعاقب میں اک نظر تنہا

دل و دماغ و نظر جیسے ہو گئے مفلوج
کبھی ملے ہیں کہیں وہ مجھے اگر تنہا

یونہی تو کہتے ہیں دنیا ہے جائے خیر و شر
کہیں نہ خیر ہی تنہا ہے اور نہ شر تنہا

ترے ستم سے ہے تیرا ضمیر بھی مجرم
ترے ستم کا نہیں مجھ پہ ہی اثر تنہا

حیات بے سر و سامانی یوں گذاری ہے
کیا ہے جیسے کسی دشت میں سفر تنہا

رئیسؔ بھی ہوئے رخصت جہانِ فانی سے
یہی تھی آج کے اخبار میں خبر تنہا

جسے عشق کہتا ہے اک جہاں وہ دراصل میرا ہی نام ہے
جسے حسن کہہ کے پکاریئے وہ ازل سے مجھ پہ تمام ہے

مری بیخودی نے کبھی کبھی یہ دیا پیام خود آگہی
کہ بنائے کون و مکاں ہوں میں سرِ عرش میرا ہی نام ہے

نہ قیود دیر و حرم یہاں نہ تصورات میں این و آں
مرا آستاں ہے وہ آستاں کہ جو سجدہ گاہِ عوام ہے

میں ہوا کی باگ کو موڑ دوں میں زمیں کے سینے کو توڑ دوں
مری آندھیاں سبھی کنیز ہیں مرا زلزلہ بھی غلام ہے

مری رفعتوں کو نہ پا سکیں مہ و مہر کی یہ گردشیں
شب و روز میری تلاش میں کہیں صبح ہے کہیں شام ہے

اس میکدے کی زمین پر جہاں خاک اڑتی ہے سر بسر
جو سرور و کیف بکھیر دے وہ مری نگاہ کا جام ہے

"رموزِ بیخودی"

کوئی نغمہ ہے اور نہ کوئی ساز
خود ہی پردہ ہو اور خود آواز

ہیں حقیقت کا عین آئینہ
مجھ سے تابندہ حسن روئے مجاز

ماہ و خورشید میرا عکسِ جمیل
نکہت و بوئے گل میری غمّاز

کبھی پیدا ہوں اور کبھی ناپید
ناز ہوں گا اور گاہِ نیاز

برہمن ہوں کہیں کہیں میں شیخ
میری ناقوس اور اذاں آواز

ہوں کبھی دیر اور کبھی کعبہ
بت گر و بت شکن میرے انداز

کبھی مسجد میں معتکف ہوں میں
کبھی پڑھتا ہوں میکدے میں نماز

کون ہوں کیا ہوں کچھ نہیں معلوم
گاہ بندہ تو گاہ بندہ نواز

کوئی مجھکو رئیس کہتا ہے
اور کوئی گدائے کوئے نیاز[1]

اوم پرکاش زارؔ علامی

اوم پرکاش زار علامی کا شمار ہریانہ کے ممتاز شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ ۶ مارچ ۱۹۲۲ء کو ساڈھورا ضلع انبالہ کے اگروال خاندان میں پیدا ہوئے ۱۹۴۶ء میں آپ نے طبیہ کالج پٹیالہ سے ڈگری حاصل کی ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۷ء تک آپ نے انبالہ شہر اور دہلی میں پرائیویٹ پریکٹس کی ۱۹۵۷ء میں ہریانہ گورنمنٹ میں بطور میڈیکل آفیسر ملازمت کر لی۔ ۱۹۸۰ء میں آپ ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ اور اپنی پرائیویٹ پریکٹس پھر شروع کر دی۔

زار علامی صاحب کو شاعری کا شوق دوران تعلیم پیدا ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ شوق پروان چڑھا زار صاحب جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ کی زبان سلیس اور تخیل ارفع ہے منظر نگاری اور جذبات حب الوطنی سے آپ کا کلام مملو ہے۔ زار صاحب حضرت علاّمہ سحر عشق آبادی کے شاگرد ہیں اسی رعایت سے آپ علامی لکھتے ہیں۔ حضرت علامہ نے اپنی حیات ہی میں زار صاحب کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے۔ ادبی حلقوں میں آپ ماہر فن عروض تسلیم کئے جاتے ہیں۔

زار صاحب کا مجموعہ کلام "تجلیات" کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس میں ان کی نظمیں قطعات و رباعیات شامل ہیں فن عروض کی جامع اور مستند تصنیف "کلید عروض" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ آپ جپ جی صاحب کا منظوم ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ فن عروض پر ایک کتاب موسومہ "مسلمات فن" زیر اشاعت ہے۔ زار صاحب ہریانہ کی ادبی سرگرمیوں اور اردو زبان و ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

پتہ

۱۰۵۷ سیکٹر ۱۳ کرنال

غزلیں

زلفِ گیتی میں ہوا ایسا اسیر
گھر گیا حلقوں میں انساں کا ضمیر

اب تو رکھ لے لغزشوں کی آبرو
ٹھوکریں کھانے لگے تیرے فقیر

ابھی فصلِ گل نے رکھا ہے قدم
رہنے دو پردے میں حسنِ بے نظیر

لبِ لعلیں ہیں کہ یہ جھوٹے نگیں
وعدہ وعدہ تیرا پانی پر لکیر

ورنہ تو کیا اور کیا تیرا ہنر
کچھ سلیقہ ہے تو دل ہیرے کا چیر

زارؔ یہ مستی کوئی مستی نہیں
میکدے کی روح ساغر میں اسیر

رات نے کس کا یہ کیا ماتم
پانی پانی ہیں دیدۂ شبنم

کیا ملا تجربوں سے اس کے سوا
جم گئی آئینے پہ گردِ الم

چوٹ کھا کر بھی مسکرائے ہیں
یوں کیا ہم نے احترامِ غم

کچھ تو معلوم ہو خطا کیا ہے
بے سبب ہم پہ کیوں ہے اتنا کرم

دیدۂ و دل کہیں بھی جھک جائیں
کیا ضروری ہے آستانِ حرم

زندگی کے بغیر زندہ ہوں
اختیار اور جبر ہیں باہم

وہی گھولیں گے زہر امرت میں
زاد سمجھا ہے تو جنہیں ہم دم

"O"

ہمارا عالمِ ہستی ہے ایکؔ عالمِ راز
تمام حسنِ حقیقت تمام حسنِ مجاز

بہ انہماک کبھی ہو تو گوش بر آواز
شکستِ ساز میں پوشیدہ ہے نوائے ساز

بزورِ فہم نہ وا ہوں گے عقدہ ہائے نیاز
تری نظر پہ مسلط ہیں پردہ ہائے مجاز

تجھے یہ وہم کہ پردوں میں چھپ کے بیٹھا ہے
میں دل سے چاہوں تو سب توڑ دوں طلسمِ راز

ستم ظریفئ صیّاد اے معاذ اللہ
کچھ اور بڑھ گئی پہلے سے قوّتِ پرواز

جہاں خرد کی رسائی کبھی نہیں ہوتی
مری نظر میں ہے وہ منزلِ نیاز و ناز

بسائے بیٹھا ہوں اے زارؔ دل میں اک دنیا
مری جبین کے نیچے ہے بارگاہِ نماز

ذرے ذرے میں عجب شانِ پذیرائی ہے
کثرتِ جلوہ میں بھی ندرتِ یکتائی ہے

پیری آئی تو بعنوانِ شباب آئی ہے
ناتوانی میں نیا جوشِ توانائی ہے

ان کو سمجھاتا ہوں جو مجھ کو سمجھتے ہیں حقیر
ذرہ خاک میں بھی دشت کی پہنائی ہے

کب چھپانے سے چھپا دردِ محبت اے دل
دہنِ زخم میں بھی قوتِ گویائی ہے

ڈوب کر کوئی بھی ابھرا ہے نہ ابھرے گا کبھی
قلزمِ حسن کی گہرائی میں گیرائی ہے

جس نے اسرارِ حقیقت کئے ظاہر اکثر
اس کو دیوانے ہی کہتے ہیں کہ سودائی ہے

حکمراں وقت ہے اے نزار ہیں سب تابع وقت
وقت کے ساتھ بدلنے ہی میں دانائی ہے

داد وحشت کی دی اک ایک تماشائی نے
آج مونھ دیکھا ہے کس کا ترے سودائی نے

دیکھنا یہ ہے سلیقہ اسے ہے بھی کہ نہیں
جرأت دید تو کی چشم تماشائی نے

ہو نہ ہو آج کسی پھول کو دیکھا ہے ضرور
اتنے حیران ہوئے تھے نہ کبھی آئینے

برق سے آنکھیں ملانے کا یہ انعام ملا
پردے سب پھونک لئے چشم تماشائی نے

کوئی مجذوب سمجھتا ہے کوئی دیوانہ
بھیس کچھ ایسا بنایا ترے سودائی نے

رات بھر درد کی صورت ہی بنائے رکھی
میرے ہمراہ وہ کی ضد غم تنہائی نے

دل سے اے زار ہیں ارماں نکالوں کیونکر
گھر میں مہمان بلا رکھے ہیں تنہائی نے

رام پرکاش ساحر ہوشیار پوری

"گزشتہ پانچ دہائیوں میں ساحر صاحب کے ذوقِ شعری نے بلندیوں کا مسلسل سفر طے کیا ہے اور ہمیں اچھے ادب پارے دیئے ہیں۔ ساحر ان چند ہستیوں میں ہیں جو آج بھی غزل کے روایتی عناصر کو جدید ترین رجحانات میں خوبصورتی سے سمو کر ہمیں حسین تازگی اور دل آویز نغمگی سے روشناس کراتے رہتے ہیں۔ انہیں فن اور زبان پر قدرت حاصل ہے اور وہ غزل کے سچے مزاج داں ہیں"۔

یہ جملے ہیں رام پرکاش ساحر ہوشیار پوری کی امتیازی ادبی شخصیت پر پدم شری علی جواد زیدی کے۔ ساحر ہوشیار پوری کا شمار موجودہ عہد کے صفِ اوّل کے شعراء میں ہوتا ہے آپ ایک شاعر اور ایک صحافی ہونے کے ساتھ اپنی ذات میں انجمن شخصیت کے مالک ہیں۔ ۱۰ر فروری ۱۹۱۳ء کو آپ کی پیدائش ہوشیار پور کے ایک علمی خاندان میں ہوئی۔ ساحر صاحب کے والد آنجہانی لکھی رام اوہری اپنے زمانے کی مدبر شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔ ساحر صاحب نے ابتدائی تعلیم ہوشیار پور میں اور پھر لاہور میں حاصل کی۔

دورانِ طالب علمی میں ہی آپ نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا تقسیم ملک کے بعد آپ کانپور آکر منتقل ہو گئے اور یہاں آکر اپنی تجارتی مصروفیات کے ساتھ ادبی انجمن آرائیاں بھی کیں کانپور ہی سے آپ نے ایک ماہنامہ "چندن" بھی جاری کیا جس کی کافی مقبولیت ہوئی۔ ہوشیار پور سے بھی آپ نے ایک ماہنامہ "کیلاش" شائع کیا۔ اور جب ۱۹۵۰ء میں آپ نے دہلی کی سکونت اختیار کی تو ماہنامہ "ماہِ نو" کی داغ بیل ڈالی۔ ساحر ہوشیار پوری دبستان داغ کے نمائندہ اور مقبول شاعر ہیں۔ ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی کے ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ساحر صاحب کی "دلستاں بزم آرائی" بڑی طویل ہے ہندوستان کے طول و عرض میں کتنی ہی انجمنوں کے بانی و سرپرست ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں لال قلعہ کے سالانہ قومی مشاعرے کی داغ بیل ڈالنے والوں میں ان کا خاص مقام ہے۔ قومی اور ریاستی سرکاری اور غیر سرکاری متعدد ادبی تنظیموں کے آپ روحِ رواں ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی سے کئی بار آپ کے انٹرویو نشر ہوئے ہیں۔ متعدد اعزازات اور انعامات کے علاوہ انہیں "ممتاز الشعراء" کا خطاب بھی مل چکا ہے۔ تصنیفات: "ماہ و پرمہیا" "سحرِ غزل" "جلترنگ" "سحرِ حرف"۔ (ناشر نقوی)

پتہ: ۲۸/۲۲۶۹ ۔ فرید آباد (ہریانہ)

ساحرؔ ہوشیارپوری

حمد

عینِ صداقت نام ترا — اصلِ محبت نام ترا
تیرے جلوے لاتعداد — نورِ وحدت نام ترا
قہر، کرم، تیرے ہی گن — شانِ شجاعت نام ترا
وصف ترے ایثار و خلوص — سوزِ الفت نام ترا
تیرے کرشمے غیب و ظہور — کشف و کرامت نام ترا
دولت دنیا تیری کنیز — والیٔ نعمت نام ترا
تیری شعاعیں فکر و فن — مہرِ ذہانت نام ترا
علم و ہنر میں تیرے صدف — قلزمِ حکمت نام ترا
صبر و شکر ہیں اسکے ثمر — نخلِ قناعت نام ترا
تو ہی ربِّ ارض و سما — قادرِ قدرت نام ترا

ساحرؔ پر بھی ایک نظر
شمعِ ہدایت نام ترا

نعت پاکؐ

ترے نام سے ابتدا ہو رہی ہے
تری یاد پر انتہا ہو رہی ہے

زباں پاک، مسرور دل، آنکھ روشن
جمالِ نبیؐ کی ثنا ہو رہی ہے

فدا ہو رہا ہے خدا خود نبیؐ پر
نبیؐ پر خدائی فدا ہو رہی ہے

جبینِ جہاں آستانِ محمدؐ
عقیدت کی یہ انتہا ہو رہی ہے

کرشمہ ہے شانِ کریمی کا شاید
کہ مجھ سے خطا پر خطا ہو رہی ہے

مرا سر ہے پائے پیمبر پہ ساحر
نمازِ ارادت ادا ہو رہی ہے

غزل

خندہ لب سے غمِ دل کو نکھارا جائے
زیست کا قرض سلیقے سے اتارا جائے

کسی چہرے پہ تبسّم نہ کسی آنکھ میں اشک
اجنبی شہر میں اب کون دوبارا جائے

شام کو بادہ کشی، شب کو تری یاد کا جشن
مسئلہ یہ ہے کہ دن کیسے گزارا جائے

تو کبھی درد، کبھی شعلہ کبھی شبنم ہے
تجھ کو کس نام سے اے زیست پکارا جائے

ڈس لیا ہے کسی ناگن نے تو اے جذبۂ شوق
اب یہ ضد کیوں ہے کہ یہ زہر اتارا جائے

اس مقدر کے سنورنے کی دعا کیا مانگیں
جو تری چشمِ کرم سے نہ سنوارا جائے

غمِ دوراں، غمِ جاناں، غمِ ہستی ساحر
بوجھ کوئی کبھی ہو سر سے نہ اتارا جائے

غزل

جتنا اپناؤ گے اتنی ہی سنور جائے گی
زندگی خواب نہیں ہے کہ بکھر جائے گی

گرد کی تہہ میں ہی رہنے دو اسے آسودہ
زندگی آئینہ دیکھے گی تو ڈر جائے گی

پھول سے ہونٹ، جواں جسم، غزالی آنکھیں
یہ سواری تو کسی چاند نگر جائے گی

آشیانے کو ذرا آگ لگا کر دیکھو
روشنی ہوگی تو ہر آنکھ ٹھہر جائے گی

تم غمِ دل کو تبسّم میں چھپا لو ورنہ
یہ شکن چہرے کی تا حدِ نظر جائے گی

کس کو معلوم تھا یہ سیرِ چمن کی خواہش
اپنے دامن میں لیے برق و شرر جائے گی

گوشۂ بزم ہو ساحرؔ کہ فرازِ مسند
ہم جہاں ہوں گے وہیں ان کی نظر جائے گی

قطعات

دورِ حاضر میں کون فرزانہ
رحمتِ احتسابِ ذات کرے
جس کو دیکھو وہ ہے جنوں کا شکار
کس کو فرصت خرد کی بات کرے

○

پاسِ نیاز و ضبطِ نظر ہو چکا بہت
جی چاہتا ہے آپ سے ہم گفتگو کریں
دامانِ آرزو میں جو رخنے ہیں رونما
دیوانگیِ شوق سے ان کو رفو کریں

○

یہاں رہ کر میں کتنا مطمئن ہوں
تمھیں کچھ اس کا اندازہ نہیں ہے
یہ دیواریں ہیں بے حد خوب صورت
مگر اس گھر کا دروازہ نہیں ہے

○

گھنشیام داس ساحر سرحدی

جناب گھنشیام داس ساحر سرحدی کی پیدائش ۱۹۲۹ء کو صوبہ سرحد (پاکستان) میں ہوئی۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور فرید آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ ساحر صاحب جناب خموش سرحدی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم پیدا ہوا اور جب سے آپ زلفِ عروس فن کو سنوارنے میں انہماک سے لگے ہوئے ہیں۔ ابتدا میں آپ نے منشی نرائن داس طالب پانی پتی سے اصلاح لی مگر ان کے انتقال کے بعد آپ نے اپنے برادر گرامی خموش سرحدی سے اصلاح سخن حاصل کی۔ ساحر صاحب غزل، نظم، رباعی، قطعہ وغیرہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں سلاست اور شگفتگی ہے۔

آپ اردو زبان کے فدائی اور پرستار ہیں اور اس کے فروغ میں سرگرم و کوشاں رہتے ہیں۔ آپ کی دختر نیک اختر نرگس خاموش ایک خوش فکر شاعرہ ہیں۔

ساحر صاحب ادبی اجتماعوں اور مشاعروں میں شرکت فرماتے رہتے ہیں۔

پتہ

اے ۱-/اے ۵ نیو ٹاؤن فرید آباد۔

قطعات

بات کی چوٹ اتنی مہلک ہے
چارہ گر کچھ بھی کر نہیں سکتا
گھاؤ کانٹوں کا ہو تو بھر جائے
پھول کا زخم بھر نہیں سکتا!!

اشرف کائنات ہیں ہم لوگ
یعنی راز حیات ہیں ہم لوگ
نائب حق سہی مگر ساحرؔ
مطلقاً بے ثبات ہیں ہم لوگ

کچھ عیب نہیں دہر میں بے زر ہونا
یہ جائے تعجب نہیں بے گھر ہونا
از روئے مشیت ہے یہ لازم ساحرؔ
حیوان سے انسان کا برتر ہونا

غزل

کون دے گا اسے صدا یارو
جو اکیلا ہی رہ گیا یارو

دل کی بستی میں جھانک کر دیکھو
شہر میں اب دھرا ہے کیا یارو

ہم تو کل پسند کیا جانیں
آج اور کل کا فاصلہ یارو

یہ سر راہ مرنے والا بھی
ایک یاروں کا یار تھا یارو

ظرف ہر اک کا اپنا اپنا ہے
میں ہوں پاپی وہ پارسا یارو

اس سے بچ کر نکلنا بہتر ہے
اب تو انساں ہے بھیڑیا یارو

آدمی آدمی کو کھائے گا
دل پہ لکھ لو مرا کہا یارو

چھڑ گئی جنگ زرگری ساحرؔ
کون سوچے برا بھلا یارو؟!!

ہیرانند سوز

جناب ہیرانند سوز ۱۹ مئی ۱۹۲۲ء کو میاں والی (پاکستان) میں پیدا ہوئے مگر عمر کا ابتدائی دور انہوں نے ضلع مظفر گڑھ میں گزارا کیونکہ ان کے والد محترم جناب ٹیک چند اسی ضلع میں پولیس افسر تھے۔ والد صاحب کے مسلسل تبادلوں کی وجہ سے اوائل عمری میں ہی خانہ بدوشی ان کی سرشت میں داخل ہوگئی تھی۔ دسویں جماعت کا امتحان انہوں نے اپنے والد محترم کی وفات کے بعد ہی میاں والی میں پاس کیا اس کے بعد ٹیکنیکل ٹریننگ کے لیے لاہور آ گئے لیکن شاید قلم ہی ان کا مقدر تھا اس لیے مشینوں کے مقابلے میں لاہور کا ادبی ماحول انہیں زیادہ راس آیا۔ مشق سخن تو وہ طالب علمی کے زمانے سے ہی شروع کر چکے تھے۔ ۱۹۴۲ء میں انہوں نے مشینوں کو خیر باد کہہ دیا اور ریلوے کلرکی ذریعہ معاش بنا کر پوری طرح ہاتھ میں تھام لیا لاہور میں سب سے پہلے جناب قمر جلال آبادی مدیر "اسٹار" لاہور کی صحبت میں انہیں دوبارہ شعر کہنے کی تحریک ملی اور ان کا کلام لاہور کے مختلف جرائد میں چھپنے لگا۔ تقسیم ملک کے بعد ان کی طبیعت افسانہ نگاری کی طرف مائل ہوگئی۔ لدھیانہ اور امرتسر میں اپنے بیس سال کے قیام کے دوران وہ شاعری کے ساتھ ساتھ افسانہ نگاری کے میدان میں بھی طبع آزمائی کرتے رہے۔ تب سے ان کی شعری تخلیقات کے ساتھ ساتھ ان کے افسانے بھی ہندو پاک کے ادبی جریدوں میں باقاعدگی سے شائع ہو رہے ہیں۔ ساتویں دہائی کے آغاز میں جالندھر ریڈیو اسٹیشن نے بھی ان کے کلام کی پذیرائی شروع کر دی تھی۔

ریٹائرمنٹ کے بعد سوز صاحب مستقل طور پر فرید آباد میں آباد ہیں۔ ان کے دو افسانوی مجموعے "کاغذ کی دیوار" اور "ساحل، سمندر اور سیپ" شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کا شمار ہریانہ کے نمائندہ شعراء میں ہوتا ہے

پتہ

۱/۲۷ سیکٹر ۷ اے فرید آباد ۱۲۱۰۰۶۔ ہریانہ

ہیرانند سوز

غزلیں

وہ جانتا تھا سفر اس کو راس کتنا تھا
مگر وہ گھر سے نکل کر اداس کتنا تھا

کشش تو شہر کی رنگینوں میں تھی لیکن
ہر ایک شخص وہاں بدحواس کتنا تھا

لباسِ دوست میں دشمن ہی جب ملے تو اسے
پتہ چلا کہ وہ انساں شناس کتنا تھا

نہ کوئی حرفِ شکایت نہ اشک آنکھوں میں
دلِ حزیں کو محبت کا پاس کتنا تھا

اِدھر تو ذکرِ اخوت تھا سب کے ہونٹوں پر
ادھر اُگا ہوں میں خوف و ہراس کتنا تھا

اسے تو خلعتِ شاہی نے ڈھک لیا ورنہ
امیرِ شہر کے تن پر لباس کتنا تھا

رکھی ہے سوز نے کس پر سخنوری کی اساس
متاعِ علم و ہنر اس کے پاس کتنا تھا

○

جتنا بھی سیاست کا کرم اور بڑھے گا
یہ تفرقۂ دیر و حرم اور بڑھے گا

کی ہم نے اگر دستِ ستمگر کی حمایت
یہ سلسلۂ جور و ستم اور بڑھے گا

بولے گی نہ جب تک مری ناکردہ گناہی
اس راہ پہ قاتل کا قدم اور بڑھے گا

ہے صبر و تحمل ہی مداوائے غمِ زیست
رونے سے تو احساسِ الم اور بڑھے گا

تعویذِ یقیں باندھ کے چل راہِ عمل پر
سوچوں سے ترے دل کا بھرم اور بڑھے گا

تو لاکھ مجھے ترکِ تعلق کی سزا دے
یہ پیار تیرے سر کی قسم اور بڑھے گا

اے سوزؔ اکسی صاحبِ ثروت کی ثنا لکھ
یوں مرتبہ لوح و قلم اور بڑھے گا

○

کوئی مونس نہیں میرا کوئی غمخوار نہیں
کیا میں اتنی سی مروّت کا بھی حقدار نہیں

میرے ہی دم سے جنہیں عظمتِ کردار ملی
وہی کہتے ہیں کہ میں صاحبِ کردار نہیں

اہتمامِ رسن و دار ہے اب کس کے لئے
میں خطاوار نہیں۔ آپ خطاوار نہیں

منصفِ شہر کو دے کون سوالوں کے جواب
اب کسی شخص میں بھی جرأتِ گفتار نہیں

سلسلہ اونچے مکانوں کا ہے تا حدِ نظر
شہر میں پھر بھی کہیں سایۂ دیوار نہیں

قافلے والے کہاں پائیں گے منزل کا نشاں
جذبۂ شوق نہیں گرمیِ رفتار نہیں

کیا فقط دار ہے شاعر کی ریاضت کا صلہ؟
سوزؔ! کیا مشقِ سخن کاوشِ بیکار نہیں؟

○

راحتِ منزل سے اپنے دل کو بہلائیں گے کیا
آبلہ پا اور آگے ٹھوکریں کھائیں گے کیا

لمحہ لمحہ زیست گزری بن کے دوزخ کا عذاب
اس سے بڑھ کر ہم گناہوں کی سزا پائیں گے گیا

کس لئے ہیں منتظر اپنے مکینوں کے مکاں
حادثوں کے شہر سے بچ کر وہ آ جائیں گے کیا

گمرہی کی ظلمتوں میں کھو چکی ہیں منزلیں
راہبر ایسے ہیں ہم کو راہ دکھلائیں گے کیا

جن کو صحرا میں سکوں حاصل ہے وہ اہلِ جنوں
بستیوں کے شور و شر میں لوٹ کر آئیں گے کیا

ہے عبث اے شیخ ہم رندوں سے ذکرِ ترکِ مے
ہم ترے کہنے پہ اپنے دل کو ترسائیں گے کیا

حرفِ آخر سے فقط اپنا کہا اس کے لئے
سوزؔ سے شوریدہ سر کو لوگ سمجھائیں گے کیا

آتم چند شرر

غزلیں

پڑا ہے پالا کچھ ایسے وفا شعاروں سے
کہ اب تو لفظ محبت بھی رائیگاں سا لگے

کرشمہ ہے یہ بھلا کس کی آمد آمد کا
غریب خانہ مجھے رشکِ گلستاں سا لگے

ہر ایک بات میں نخوت ہے حسن کی فطرت
مگر یہ عشق تو بیچارہ بے زباں سا لگے

چھپا کے رکھا تھا جو راز ہم نے سینے میں
اب اس کا ایک زمانہ ہی رازداں سا لگے

وصال میں تو محبت پہ تھا نکھار شررؔ
فراق میں بھی یہ جذبہ جواں جواں سا لگے

نئے چلن کے مناظر سے ڈر لگے ہے مجھے
زمانہ اس سے ابھی بے خبر لگے ہے مجھے

ہوا ہوں اپنوں کے الطاف کا شکار اتنا
خود اپنے سائے سے بھی آج ڈر لگے ہے مجھے

کھلے ہیں پھول نہ مہکا چمن نہ بہکی ہوا
بہار میں بھی خزاں کا اثر لگے ہے مجھے

ہر ایک جلوے میں تیرا جمال پاتا ہوں
ہر ایک راہ تری راہ گزر لگے ہے مجھے

بجا! کہ اس سے وفا کی نہیں کوئی امید
بشر وہ پھر بھی بہت معتبر لگے ہے مجھے

اکم چند شرر

پڑا ہے پالا کچھ ایسے وفا شعاروں سے
کہ اب تو لفظ محبت بھی رائیگاں سا لگے

کرشمہ ہے یہ بھلا کس کی آمد آمد کا
غریب خانہ مجھے رشکِ گلستاں سا لگے

ہر ایک بات میں نخوت ہے حسن کی فطرت
مگر یہ عشق تو بیچارہ بے زباں سا لگے

چھپا کے رکھا تھا جو راز ہم نے سینے میں
اب اس کا ایک زمانہ ہی رازداں سا لگے

وصال میں تو محبت پہ تھا نکھار شرر
فراق میں بھی یہ جذبہ جواں جواں سا لگے

نئے چلن کے مناظر سے ڈر لگے ہے مجھے
زمانہ اس سے ابھی بے خبر لگے ہے مجھے

ہوا ہوں اپنوں کے الطاف کا شکار اتنا
خود اپنے سائے سے بھی آج ڈر لگے ہے مجھے

کھلے ہیں پھول نہ مہکا چمن نہ بہکی ہوا
بہار میں بھی خزاں کا اثر لگے ہے مجھے

ہر ایک جلوے میں تیرا جمال پاتا ہوں
ہر ایک راہ تری راہ گزر لگے ہے مجھے

بجا! کہ اس سے وفا کی نہیں کوئی امید
بشر وہ پھر بھی بہت معتبر لگے ہے مجھے

ابھی تو شام ہوئی تھی، ابھی سحر کیسے؟
شبِ وصال بھلا اتنی مختصر کیسے؟

بجا کہ عشق کا انجام بے قراری ہے
مگر جو عشق نہ ہو، زیست ہو بسر کیسے

نہ سوزِ عشق، نہ ذوقِ طلب، نہ حسنِ عشق
کلام حضرتِ واعظ ہو با اثر کیسے؟

رہی جہاں ترے نقشِ قدم کی مجھ کو تلاش
بھلا سکوں گا میں دل سے وہ رہ گزر کیسے؟

فلک کے چاند ستاروں سے ہم کلام ہوں جو
جچے نگاہ میں ان کی بھلا شرر کیسے؟

پھیلی ہے شرر جب سے یہ روشنی مغرب کی
گھٹتا ہی گیا انساں، بڑھتے ہی گئے سائے

○

موسم تو ذرا سنبھلے، یہ ابر تو چھٹ پائے
سن لیں گے تری واعظ، کچھ عمر تو کٹ پائے

فیضان نظر پائیں کیسے بھری محفل میں
یا درد سے ہم چیخیں، یا ان کو خیال آئے

اس درد کا کیا درماں، اس زخم کا مرہم کیا
ہر گام جو جاگ اٹھے، ہر بار جو کھل جائے

رکھا نہ کہیں کا بھی اس سوزِ محبّت نے
ہم رو یا کئے شب بھر، جاگا کئے ہمسائے

تہذیب ہے شرمندہ، رسوا ہے تمدن بھی
اس دورِ ترقی نے کیا کیا نہ ستم ڈھائے

تری نگہ میں جو تھوڑا سا پیار جاگ اٹھے
کلی کا حسن، گلوں کا نکھار جاگ اٹھے

نہ چھیڑ عہدِ محبّت کی داستاں اے دوست
کہ چونک کر نہ دلِ بے قرار جاگ اٹھے

بہاتی رہتی ہے آنسو غموں کی ماری رات
کہیں تو کوئی دلِ غم گسار جاگ اٹھے

یہ کس کا ذکر چھڑا دل میں کس کی یاد ابھری!
کہ لے کے کروٹیں غم بے شمار جاگ اٹھے

یہی عبادتِ حق ہے شعورِ یہی ایماں
بشر کے دل میں بشر کا وقار جاگ اٹھے

رام سنگھ شرر فتحپوری

جناب رام سنگھ شرر فتحپوری ۱۶ / مئی ۱۹۲۸ء کو فتحپور ضلع کوروکشیتر میں پیدا ہوئے۔ شرر صاحب نے میٹرک تک تعلیم فتحپور میں حاصل کی اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی۔اے اور علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔اے اور ایم ایڈ کی اسناد حاصل کیں۔ انہیں درسگاہوں میں شرر صاحب کے ادبی شعور کی تربیت ہوئی اور اسی ماحول نے ان کو فن اور ادب کی اعلیٰ ترین جمالیاتی اقدار کو اپنانے کی بصیرت عطا کی۔ ادب میں ترقی پسند تحریک سے متاثر ہیں۔ کلام میں تازگی ہے اور عصری حسیت نمایاں ہے۔

شرر صاحب کی سب سے پہلی نظم "پنگھٹ" ماہنامہ آجکل دہلی کے ماہ جنوری ۱۹۴۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ شرر صاحب جناب منور لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ آپ کی ابتک ۱۱ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

۱۹۵۱ء میں "جنگ نہیں ہونے دیں گے" (طویل نظم) ۱۹۵۳ء "ساز جمہور" (مثنوی) ۱۹۶۳ء میں "ہمالیہ جاگ اٹھا" (نظمیات) ۱۹۷۲ء میں "کاروانِ سحر" (مسدس) آزادی کی ۲۵ ویں سالگرہ پر ۱۹۷۳ء میں "دھرتی کے گیت" (ہندی)، ہریانہ ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ (تعلیم بالغان کے لیے) ۱۹۸۱ء میں "پدمنی" (منظوم تمثیل)، ۸۲ء میں "نئی دنیا نیا آدم" (مثنویات) ۸۳ء میں "فرد" (شعری انتخاب) ۸۵ء میں پدمنی (ہندی رسم الخط) ۸۶ء میں "حرف حرف" (منظومات) ۸۷ء میں "ایک ہی رنگ لہو کا" (منظومات)

شرر صاحب کو ہندوستان کی مختلف اکادمیوں سے مالی تعاون و انعام مل چکے ہیں۔ "ایک ہی رنگ لہو کا" پر سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

پتہ

فتحپور کوروکشیتر

شمرؔ فتحپوری

فردا

آخرِ شب جو سرِ بزم بجھیں قندیلیں
خاکِ پروانہ پکار اٹھی کہ گلرنگ سحر
دامنِ شرق سے باتاب و تواں پھوٹے گی
ہر طرف نور کا سیلاب امڈ آئے گا
دور ڈوبے گا کہیں ساحلِ شب کا دامن
اور کسی کنج سے پھوٹے کی ضیا پاش کرن
جگمگا اٹھے گی بے نور فضائے گلشن
حسنِ تعبیرِ نئے خواب کی نورس کلیاں
آنکھ کھولیں گی تو عالم ہی بدل جائے گا!

غزلیں

اتنا آغوش کشادہ ہیں ہوں
تیری وسعت سے زیادہ ہیں ہوں

چاک در چاک ہوں پیوند تمام
زندگی تیرا لبادہ میں ہوں

روشنی دے گا جو منزل منزل
وہ چراغ سر جادہ ہیں ہوں

نہ رکو ہم سفرو! آؤ چلو
اگلی منزل کا ارادہ میں ہوں

غالب کی غزل ہے کہ وہ میرؔ کا بچپن ہے
تاثیرِ سخن، درد کا بے ساختہ پن ہے

ہر آنکھ میں ہے نشّۂ زہرابِ غمِ دل
چہرے پہ سلگتی ہوئی سینے کی جلن ہے

اربابِ خرد سے تو سرانجام نہ ہوگا
یہ کارِ جنوں، مرحلۂ دار و رسن ہے

ہے تن ہے سرِ کشتہ تمنّاؤں کا مدفن
اوڑھے ہوئے ہر شخص امیدوں کا کفن ہے

○

غنچہ غنچہ چٹک رہا ہے لہو
گوشہ گوشہ، مہک رہا ہے لہو

نالہ نالہ ہے شورِ آہ و فغاں
نغمہ نغمہ، چہک رہا ہے لہو

قطرہ قطرہ ہے آگ کا دریا
ذرّہ ذرّہ، دہک رہا ہے لہو

کوندا کوندا ہے بجلیوں کی تڑپ
شعلہ شعلہ، لپک رہا ہے لہو

سینہ سینہ ہے درد و زخم و داغ
چہرہ چہرہ دمک رہا ہے لہو

مینا مینا ہے بادۂ سرجوش
شیشہ شیشہ، چھلک رہا ہے لہو

قصّہ قصّہ ہے ماجرائے حیات
لہجہ لہجہ، کھنک رہا ہے لہو

محبس و مقتل و صلیب و دار
نیزہ نیزہ چمک رہا ہے لہو

بنارسی داس شیدا انبالوی

بنارسی داس شیدا انبالوی کا شمار ہریانہ کے بزرگ شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۹ را کتوبر ۱۹۱۹ء کو قصبہ ملانہ تحصیل و ضلع انبالہ (ہریانہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم۔ اے (تاریخ) اور بی ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں اور درس و تدریس کو ذریعہ معاش بنایا۔ شیدا صاحب کو شاعری کا شوق اوائل عمری سے ہے۔ آپ جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں ندرت سلاست اور پختگی پائی جاتی ہے۔ شیدا صاحب دبستان داغ سے تعلق رکھتے ہیں آپ جوش ملسیانی کے شاگرد ہیں۔ آپ کی تین کتابیں شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

"وقت کی آواز" (نظمیں)، "دل کی آواز" (غزلیات) "دھڑکنیں" (قطعات) آپ کی رباعیات کا مجموعہ "الجھنیں" زیر ترتیب ہے۔ "دھڑکنیں" پر ہریانہ اردو اکادمی نے آپ کو انعام سے نوازا۔

شیدا صاحب ہریانہ کی سماجی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آپ چنڈی گڈھ کی ادبی تنظیم "بزم ادب" کے اور حصار کی ادبی تنظیم "بزم سخن" کے صدر اور "ساہتیہ سنگم" انبالہ کے سکریٹری ہیں۔

پتہ

۵۹ ماڈل ٹاون انبالہ شہر (ہریانہ)

شیدا انبالوی

اب کیا ڈریں گے گردشِ ہفت آسماں سے ہم
گزرے ہیں تیرے عشق میں ہر امتحاں سے ہم

یا سُن لبِ زمانہ سے یا اپنے دل سے پوچھ
خود اپنا حال کہہ نہ سکیں گے زباں سے ہم

اب کیا غرض حرم سے ہے؟ کیا میکدے سے کام
وابستہ ہو چکے ہیں ترے داستاں سے ہم

بس اس قدر ہے ترکِ محبت کی داستاں
کچھ بدگماں سے وہ ہیں تو کچھ بدگماں سے ہم

انجامِ عشق بھی ہے اک آغازِ عشق تو
آئے وہیں پلٹ کے چلے تھے جہاں سے ہم

شیدؔا! کسی کو اپنا بنانا بھی خوب تھا
بیگانہ ہو کے رہ گئے سارے جہاں سے ہم

فتنے ہر سمت ہی بیدار نظر آتے ہیں
کیسے یہ حشر کے آثار نظر آتے ہیں

آج انسان کی صورت ہے جہاں میں عنقا
ہر طرف کافر و دین دار نظر آتے ہیں

کوئی ملتا نہیں ایسا جسے غم خوار کہیں
یوں تو غم خوار ہی غم خوار نظر آتے ہیں

کون سا آئینہ روپیش نظر ہے؟ یارب
دل و جاں نقش بہ دیوار نظر آتے ہیں

اور بھی تیز قدم اٹھتا ہے منزل کی طرف
راستے جب ہمیں دشوار نظر آتے ہیں

کیسی بدلی ہے زمانے کی ہوا! اے شیدا
اب وفا کوش ستم کار نظر آتے ہیں

سامانِ جنوں لے کر گلشن میں بہار آئی
جیسے کوئی دیوانہ، جیسے کوئی سودائی

تو جانِ تمنّا ہے، تو روحِ تمنّا ہے
اے جانِ تمنّائی! اے روحِ تمنّائی

غنچہ کہ شگوفہ ہو، ذرّہ کہ ستارہ ہو
ہر شے سے نمایاں ہے وہ جلوۂ یکتائی

یہ قیدِ قفس! اس پر بے بال و پر کی دیکھو
افسوس گلستاں میں کس وقت بہار آئی

ہر پھول ہے افسردہ، ہر غنچہ ہے پژمردہ
کہنے کو تو کہتا ہے ہر شخص بہار آئی

ملتی ہی نہ تھی فرصت دنیا کے جھمیلوں سے
اک وجہِ سکوں ہے اب شیداؔ! مری تنہائی

رباعیات

○

ہر قطرۂ گنگا مئے کوثر سے سوا
ہر خار بھی جنت کے گلِ تر سے سوا
تعریف سے بالا ہے مرے ہند کی شان
ہر ذرہ ہے مہر و مہ و اختر سے سوا

○

اب اپنے ارادوں کو سنبھالیں گے ہم
آغوشِ عمل میں انہیں پالیں گے ہم
بوسیدہ لکیروں کو کہاں تک پیٹیں
جینے کی نئی راہیں نکالیں گے ہم

○

من موہنی، پیاری ہے زبانِ اردو
ہر سمت ہی جاری ہے زبانِ اردو
پیدا یہیں ہو کر یہ بڑھی، پھولی پھلی
بے شک یہ ہماری ہے زبانِ اردو

قطعات

○

غم کے سرمایہ دار ہیں ہم لوگ
رنج سے ہم کنار ہیں ہم لوگ
ہر خوشی کی ہنسی اڑاتے ہیں
کس قدر باوقار ہیں ہم لوگ

○

کوئی دیکھے ہمارا استقلال
کھا کے غم، اشک پی رہے ہیں ہم
دم لبوں پر ہے۔ جان آنکھوں میں
پھر بھی جیتے ہیں۔ جی رہے ہیں ہم

○

خاک اڑتی ہے زمیں پر بے طرح
ہر طرف ہیں موت کے سامان عیاں
اور ادھر تو آسماں میں چاند پر
ڈھونڈتا ہے زندگانی کے نشاں

سردار رام صابر ابوہری

نام سردار رام، تخلص صابر ۱۵ر ستمبر ۱۹۱۹ء کو دھرم پورہ ضلع فیروز پور میں پیدا ہوئے صابر صاحب نے ایم۔ اے (انگریزی) کی ڈگری حاصل کی اور ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔

صابر صاحب کے آباؤ اجداد ابوہر کے رہنے والے تھے۔ مگر وہ ایک مدت سے ایلن آباد ضلع سرسہ (ہریانہ) میں رہ رہے تھے۔ صابر صاحب ابوہر کی رعایت سے ابوہری لکھتے ہیں آپ سرکاری ملازمت میں چیف سپرنٹنڈنٹ ٹیلیگراف کے ممتاز عہدے سے ریٹائر ہوئے ۱۹۷۷ء میں آپ نے فرید آباد (ہریانہ) میں سکونت اختیار کی آج کل آپ یمنا نگر میں مقیم ہیں صابر صاحب کو شعر و شاعری کا شوق طالب علمی کے زمانے میں پیدا ہوا اور تب سے ابھی تک زلفِ عروسِ فن کو سنوارنے میں انہماک سے لگے ہوئے ہیں۔ آپ جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ صابر صاحب کے مجموعۂ کلام "نوائے جنوں" اور "نوائے شوق" شائع ہو چکے ہیں۔ "نوائے جنوں" پر آپ کو بہار اردو اکادمی سے انعام بھی مل چکا ہے۔ آپ نے گیتا کے شلوکوں کے منظوم ترجمے کے علاوہ علامہ اقبال کی متعدد فارسی رباعیات و مختلف اشعار کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ صابر صاحب ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ آپ نے انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے بھی کئے ہیں۔

صابر صاحب دبستانِ داغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نسیم نور محلی کے شاگرد ہیں۔ قبلہ جوش ملسیانی سے بھی آپ نے استفادۂ سخن کیا ہے۔ آپ کے کلام میں روایت کا احترام اور زبان کی شستگی کے عناصر نمایاں ہیں۔ پتہ۔ معرفت ایگرو کنگ۔ یمنا نگر۔

صابر ابوہری

رباعیات

الفت کا سبق سب کو پڑھانا ہے ہمیں
انسان کو انسان بنانا ہے ہمیں
نفرت کا چلن عام کیا ہے جس نے
اس فرقہ پرستی کو مٹانا ہے ہمیں

○

ایٹم کی بنی کھان یہ دھرتی اپنی
کچھ دن کی ہے مہمان یہ دھرتی اپنی
مٹ جائے گا انسان اگر جنگ ہوئی
ہو جائے گی ویران یہ دھرتی اپنی

○

اڑنے کو فلک پر تمہیں پر دیتا ہے
چلنے کو تہِ آب نظر دیتا ہے
جس دورِ کمالات پہ نازاں ہو تم
دنیا کی تباہی کی خبر دیتا ہے

قطعات

○

تیری دنیا کے فیصلے یا رب
کیا عجیب و غریب ہوتے ہیں
درس دیتے ہیں جو محبت کا
نذرِ دار و صلیب ہوتے ہیں

○

میں پرستار ہوں محبت کا
بغض و کینہ سے عار ہے مجھ کو
شاعرانہ مزاج رکھتا ہوں
ساری دنیا سے پیار ہے مجھ کو

○

نظر جس میں ہوتی ہے سود و زیاں پر
وہ سوداگری ہے محبت نہیں ہے
وطن سے نہ مانگو وفاؤں کا بدلہ
وطن کی محبت تجارت نہیں ہے

○

غزل

محبت کا تجھے عرفاں کہاں ہے
ابھی تو مائل آہ و فغاں ہے

وہ ہونے کو مرے دل میں نہاں ہے
مگر اک فاصلہ سا درمیاں ہے

دہائی ہے بہت انسانیت کی
مگر اس دور میں انساں کہاں ہے

جسے پہچان ہے اپنی خودی کی
وہ انساں محرم راز نہاں ہے

حقیقت جس کو ہے معلوم اپنی
وہ قطرہ ایک بحر بیکراں ہے

مجھے کیا واسطہ دیر و حرم سے
چراغ عشق دل میں ضو فشاں ہے

عجب ہے زندگی کا ساز صابر
کبھی نغمہ کبھی آہ و فغاں ہے

جہاں سر اٹھا کر چلیں آدمی — نہ آقا ہو کوئی نہ بندہ کوئی

جہاں خوف سے ذہن آزاد ہوں — جہاں لوگ خوش حال ہوں شاد ہوں

جہاں علم و دانش کے دریا بہیں — جہاں لوگ آپس میں مل کر رہیں

جہاں دل صداقت سے معمور ہوں — چراغ محبت سے پر نور ہوں

جہاں بول بالا ہو انصاف کا — نہ چھوٹا ہو کوئی نہ کوئی بڑا

رہے پرچم حق ہمیشہ بلند — نہ پہنچے کسی کو کسی سے گزند

خودی کا ہو جوہر ہر اک فرد میں — شہادت کا جذبہ ہو ہر مرد میں

جہاں لوگ عالم ہوں فنکار ہوں — شراب اخوت سے سرشار ہوں

جہاں فرض کی سب کو پہچان ہو — وطن دوستی سب کا ایمان ہو

جنوں ہو خرد کا جہاں رہنما — مجھے بخش وہ سرزمیں اے خدا

جہاں حق پرستی ہو سب کا چلن — جہاں نام کو بھی نہ ہو مکر و فن

جہاں تیری رحمت ہو سایہ فگن
وہ میرا وطن ہو، وہ میرا وطن

مکند لال گپتا صادق فتحپوری

جناب مکند لال گپتا صادق فتحپوری کی پیدائش ۱۹۲۸ء کو فتح پور تحصیل کیتھل ضلع کوروکشیتر میں لالہ دیس راج مہاجن کے یہاں ہوئی۔ صادق صاحب طالب علمی کے زمانے سے ہی جنگ آزادی کے لیے وطن پرستی کے گیت گانے اور آزادی ملک کے لیے کوشاں رہے۔ آپ نے سناتن دھرم ہائی اسکول پونڈری سے میٹرک کیا اور اس کے بعد ایس ڈی کالج لاہور میں داخلہ لیا لیکن تقسیم ملک کی وجہ سے لاہور چھوڑا اور انبالہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ صادق صاحب نے ایم این کالج انبالہ چھاؤنی سے بی۔ اے۔ اور ایم اے اور بی ایڈ کی اسناد پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کیں۔

آپ کو شاعری کا شوق طالب علمی کے زمانے سے تھا۔ ابتدا میں آپ نے طالب پانی پتی سے اصلاح لی لیکن اب شرر فتحپوری کے دامن فیض سے وابستہ ہیں ۱۹۵۶ء میں صادق صاحب نے محکمۂ تعلیم پنجاب میں ملازمت شروع کی اور آجکل محکمۂ تعلیم ہریانہ سے ریٹائر ہو کر آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۷ء تک ادیب جیندا کے روح رواں اور ساہتیہ سبھا فتحپور پونڈری کے سرگرم رکن رہے۔ آپ کی محبوب صنف سخن غزل ہے۔ انداز بیان میں سادگی صفائی اور سلاست ہے۔

پتہ

فتحپور پونڈری۔ کوروکشیتر۔

صادق فتحپوری

(۱)

اپنے بیگانے چلے آتے ہیں
جانے پہچانے چلے آتے ہیں

دیکھ اے شمع فروزاں! وہ دیکھ
تیرے پروانے چلے آئے ہیں

حدِّ وحشت ہے کہ میری جانب
خود ہی ویرانے چلے آتے ہیں

یوں تو آئے نہیں لیکن اکثر
دل کو تڑپانے چلے آتے ہیں

ہم سے رندوں کو بھلا کیوں صادق
لوگ سمجھانے چلے آتے ہیں

ہمیں سے ہے بہار دین و دنیا
ہمیں سے زیست کا غنچہ کھلا ہے

ہمیں سے ہے فروغِ لالہ و گل
ہمیں سے گلشنِ ہستی ہرا ہے

ہمارے آنسوؤں سے خندۂ گل
ہمارا نالۂ غم بھی نوا ہے

ہمیں ہیں خضرِ راہ کامرانی
کہ منزل تک ہمارا نقش پا ہے

بنامِ تلخئ آلام دوراں
یہ زہر زندگی ہم نے پیا ہے

ہمیں ہیں عیسےٰ و منصور و گاندھی
ہمیں سے عقدہ ہستی کھلا ہے

ہم اپنے رنگ میں یکتا ہیں صادق
ہمارا رنگ دنیا سے جدا ہے

○

رسم و راہِ وفا بڑھاؤ بھی
چوٹ بھی کھاؤ، مسکراؤ بھی

جاگ اٹھے گی ہر ایک ساز کی لے
گیت ایسا کوئی سناؤ بھی

کتنی تاریک ہے فضائے دل
دیپ کوئی یہاں جلاؤ بھی

ہو چکیں سب شکایتیں اے دوست
مان بھی جاؤ، مان جاؤ بھی

کیا ضرورت کہ رہو تصویریں
کیا ضرورت جو یاد آؤ بھی

اٹھ گیا آج صادقِ ناشاد
جشنِ مرگِ وفا مناؤ بھی

واس دیو ساہنی طالب

واس دیو ساہنی طالب ۱۴رجون ۱۹۲۸ء کو ملتان (پاکستان) میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی ۱۹۴۵ء میں ملتان سے میٹرک کیا بعد میں انجینیرنگ کی ڈگری حاصل کی اور صنعت کاری سے وابستہ ہو گئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لے آئے اور فرید آباد میں سکونت پذیر ہوئے۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم پیدا ہوا۔ اسکول میں اردو کے استاد حضرت شعلہ کی صحبت میں اس ذوق کو چار چاند لگ گئے اور ملتان کی ادبی محفلوں میں شرکت کرنے لگے۔ ہندوستان آنے کے بعد حضرت خموش سرحدی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو گئے۔ شاعری میں آپ غالبؔ، اقبالؔ، سوداؔ، میرؔ، مومنؔ وغیرہ سے بہت متاثر ہیں۔ آپ کا کلام بے عیب اور ہموار ہے۔ طالب صاحب عصری مسائل اور آج کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو موضوع سخن بنا کر سلیقے سے پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔

۸۵۔۸۶ء میں آپ لائنس کلب فرید آباد کے اور آجکل "ادبی سنگم" رجسٹرڈ فرید آباد کے صدر ہیں۔ فرید آباد کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں برابر حصہ لیتے رہتے ہیں۔

پتہ

۵۱۹/۱۵ فرید آباد (ہریانہ)

واس دیو طالب فرید آبادی

○

تصور کا جہاں کتنا حسیں ہے
کہ تیرے ماسوا کوئی نہیں ہے

خدا کا گھر نہیں ہیں دیر و کعبہ
خدا کا گھر دلِ اہلِ یقیں ہے

دکھائے معجزے حکمت کے کیا کیا
مسائل میں کمی پھر بھی نہیں ہے

عیادت، دردمندی، غم گساری
ہمارے درد کا درماں نہیں ہے

تجھی سے زندگی میں ہے مسرّت
تجھی سے زندگی اب تک حسیں ہے

غزل کے فن میں ہے وہ سب سے آگے
کبھی طالب کا یہ دعویٰ نہیں ہے

○
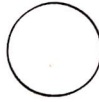
وہی اس دور میں اچھا رہا ہے
مصیبت میں بھی جو ہنستا رہا ہے

بھری دنیا میں بھی مرد قلندر
اکیلا، بے نوا، تنہا رہا ہے

نہیں نکھرا ابھی تک دل کی صورت
پگھل کر بارہا ڈھلتا رہا ہے

کبھی ذوقِ سفر کی دھن میں راہی
کڈھب راہوں پہ بھی چلتا رہا ہے

اسے کیوں سالکِ کامل کہیں ہم
جو اپنے سائے سے ڈرتا رہا ہے

دل طالب کی تنہائی میں اکثر
بپا اک حشر سا ہوتا رہا ہے

اس شخص کو جو دیر سے حیران کھڑا ہے
ساحل پہ بھی موجوں سے بڑا کام پڑا ہے

اس پار جو تھک ہار کے ساحل پہ پڑا ہے
وہ آدمی گرداب سے موجوں سے لڑا ہے

ماتھے پہ کسی شوخ کے چندن کا ستارا
جیسا کہ نگینہ کوئی جھومر میں جڑا ہے

بپھرا ہوا دریا ہے تباہی کی علامت
اور میرا سفینہ ہے کہ طوفان میں کھڑا ہے

بن بن کے بگڑتی ہی رہی روزِ ازل سے!
یہ زیست بھی شاید کسی سوہنی کا گھڑا ہے

یہ رہ نہ سکے گا کبھی طوفاں کے مقابل
نقش سرِ ساحل جسے موجوں نے گھڑا ہے

صبح کی ہیں امید میں ہم
ہمکو نہیں ہے رات کا غم

آج طبیعت ہے برہم
کوئی نہیں ہے تازہ غم

خاموشی چٹان سی تھی
ٹوٹی تو نکلی "سر گم"

دھن دولت کی بات نہ پوچھ
جتنا بڑھاؤ اتنا کم

جیت اور ہار کی بات نہ سوچ
دل کی خوشی ہو جائے نہ کم

لمبی تان کے سوتے ہیں وہ
جنکو چاہئے کم سے کم

اپنی دنیا آپ بناؤ
کس کا بھروسہ کس کا کرم

بودھراج ظفرؔ

جناب بودھراج ظفرؔ کا تعلق ٹھاکر گھرانے سے ہے۔ ان کی پیدائش ۱۹۲۷ء شہر سلطان علی پور ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے مستقل سکونت سونی پت میں اختیار کی۔ ظفرؔ صاحب صرف مڈل تک تعلیم حاصل کر سکے کیونکہ تقسیم وطن کے بعد آپ کی تعلیم منقطع ہو گئی شاعری کا شوق آپ کو طالب علمی کے زمانے سے ہے مگر ۱۹۶۷ء میں یہ شوق پروان چڑھا اور باقاعدہ شاعری کا آغاز ہوا۔ آپ رئیسؔ نیازی اور آتشؔ بہاولپوری سے اصلاح سخن لیتے ہیں۔ آپ کا کلام مختلف رسائل و جرائد میں چھپتا رہتا ہے۔ اور اکثر آکاش وانی روہتک سے بھی نشر ہوتا ہے۔

ظفرؔ صاحب کے مزاج میں سادگی کا عنصر نمایاں ہے اور اس کا اثر کلام میں شامل ہو کر قاری کو متوجہ کرتا ہے۔ ظفرؔ صاحب کا مجموعۂ کلام "گلستان معرفت" زیر ترتیب ہے۔ آپ نرنکاری مشن کے سرگرم ممبر ہیں اور مرشد کامل بابا ہردیو سنگھ جی نرنکاری کے عقیدت مندوں میں ہیں۔ ان کا موضوع سخن اخلاقیات و روحانیت ہے۔ ان کے اکثر اشعار میں تصوف کی چاشنی بھی نظر آتی ہے۔

پتہ

ظفر کٹیا اشوک نگر، سونی پت (ہریانہ)

بودھ راج ظفر

غزلیں

جگمگا اٹھیں گے جب حق و صداقت کے چراغ
بالیقیں بجھ جائیں گے کذب و بطالت کے چراغ

ہو گیا ہے ہم گنہگاروں کو بخشش کا یقیں
دیکھ کر ہر سو فروزاں تیری رحمت کے چراغ

وقف جن کی زندگی ہے غم کے ماروں کے لئے
خیر مقدم ان کا کرتے ہیں مسرّت کے چراغ

تفرقہ پردازیوں سے یہ جہاں تاریک ہے
ڈھونڈ کر لاؤ کہیں سے امن و راحت کے چراغ

آفتاب و ماہ و انجم کہکشاں کچھ بھی نہیں
ہیں ضیا افروز ان میں تیری قدرت کے چراغ

ناچتی ہیں ذہن میں الفاظ کی کٹھ پتلیاں
دل میں روشن ہیں میرے حسن بلاغت کے چراغ

کیا کسی کو موردِ الزام ٹھہرائیں ظفرؔ
آدمی نے خود بجھائے آدمیت کے چراغ

الفت و مہر و وفا لطف و عطا کا شکریہ
دل سے کرتا ہوں میں تیری ہر ادا کا شکریہ

آپ کے جو آستاں تک کھینچ لائی ہے مجھے
اس گھٹا کی مہربانی اس خطا کا شکریہ

وہ بھی سر افروز ہے تیری عطا و لطف سے
جو نہیں کرتا تری لطف و عطا کا شکریہ

چاہئے گر دل کی راحت روح کی آسودگی
کیجئے آٹھوں پہر دل سے خدا کا شکریہ

دل مجھے ایسا عطا کر بخش دے ایسی زباں
ہر گھڑی کرتا رہوں تیری عطا کا شکریہ

جس نے پہونچایا ہے مجھکو منزل مقصود تک
کیوں نہ ہو لب پر مرے اس رہ نما کا شکریہ

مرشد عالی مجھے الفاظ ملتے ہی نہیں
کر سکوں جن سے تیری لطف عطا کا شکریہ

کٹ رہے ہیں زیست کے ایام ہنستے بولتے
ہو رہے ہیں اپنے سارے کام ہنستے بولتے

میرے فکر و فن پہ ہو تیری عنایت کی نظر
شعر ہو جائیں میرے الہام ہنستے بولتے

ابتدا کرتے ہیں ہنستے بولتے جس کام کی
کام وہ ہوتا ہے سر انجام ہنستے بولتے

پھول برسائے زباں لب شہد ٹپکاتے رہیں
اک زمانے کو کروں میں رام ہنستے بولتے

غم زدہ لوگوں کے غم کو دور کرنے کے لئے
بانٹتے رہیے خوشی کے جام ہنستے بولتے

تیرے الطاف و کرم کی انتہا کوئی نہیں
بن گئی ہے زندگی انعام ہنستے بولتے

آئے تھے جس کام کی خاطر زمانے میں ظفرؔ
کر لیا پورا وہ ہم نے کام ہنستے بولتے
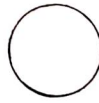
ہر طرف غم کے ہیں آثار یہ قصہ کیا ہے
سارا ماحول ہے بیمار یہ قصہ کیا ہے

ملک اور قوم کے سر تاج بنے پھرتے ہیں
ملک اور قوم کے غدار یہ قصہ کیا ہے

سخت حیرت ہے ہمیں یہ کہ خدا والوں کی
ہے خدا والوں سے تکرار یہ قصہ کیا ہے

عام ہے فرقہ پرستی و تعصب کا جنوں
کیوں ہیں خاموش قلمکار یہ قصہ کیا ہے

جو بشر واقف اسرار حقیقت ہے اسے
کیوں نہیں جرأت اظہار یہ قصہ کیا ہے

پارسائی کا زباں کرتی ہے دعویٰ لیکن
دل ہے حوروں کا طلب گار یہ قصہ کیا ہے

جن کی کاوش سے بہار آئی گلستانوں میں
ان کی قسمت میں خس و خار یہ قصہ کیا ہے

عہد جمہور میں جمہور کا یہ حال ظفر
سانس لینا بھی ہے دشوار یہ قصہ کیا ہے

مہتہ شو ناتھ موہن فہیم

مہتہ شو ناتھ موہن نام، فہیم تخلص، تاریخ ولادت ۲۵ر اکتوبر ۱۹۱۷ء بمقام تلہ گنگ ضلع کیمبل پور (پاکستان)۔ فہیم صاحب نے پنجاب یونیورسٹی سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے والد محترم جناب مہتہ سیگھراج راج اردو، فارسی، ہندی اور عربی کے عالم تھے اور انہیں شعر و ادب سے فطری تعلق تھا وہ اردو اور فارسی میں اچھے شعر کہتے تھے۔ فہیم صاحب کے ذوق سلیم کو سنوارنے اور انہیں ادب کی راہ پر لانے کا فریضہ والد محترم نے ہی انجام دیا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ نے پہلا شعر کہا اور اب تک زلف عروس فن کو سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی محبوب صنف سخن غزل ہے۔ روایتی اسلوب کے پاسدار ہیں آپ نے اردو کے کلاسکی ادب کے مطالعہ سے جو استفادہ کیا ہے اس کا شعور انداز بیان میں جھلکتا ہے اور عصری مسائل نیز ذاتی واردات کو شعری قالب میں ڈھالنے کا رجحان نمایاں ہے۔ آج کل آپ حضرت خموش سرحدی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ فہیم صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اور فرید آباد میں سکونت اختیار کی۔

پتہ

سی۔ ۱۷۔ آریہ سورج روڈ نیو ٹاؤن۔ فرید آباد۔

شیو ناتھ فہیم

ہوا ہے قتل مرا میرے دستگیروں سے
یہ پوچھ تا پھرے ہے کیوں بے زبان تیروں سے

انہوں نے مل کے مشیت سے تجھکو لوٹا ہے
اٹھ اور اپنی خوشی چھین لے امیروں سے

ہیں ملتے جلتے خدو خال ان کے آپس میں
شناخت کیسے ہو رہزن کی راہ گیروں سے

تعلقات میں ایسا بھی اک مقام آیا
چھڑا کے ہاتھ میں بھاگا ہوں دستگیروں سے

الٰہی خیر ہو گنجے کو آ گئے ناخن
غریب لینے لگا ہے حساب امیروں سے

کنول پانی پتی

جناب کنول پانی پتی فتح گڑھ انبالہ کے ایک برہمن خاندان میں ۲۷ مئی ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے
آپ کے والد پنڈت شب رام ہندی اور سنسکرت کے جیّد عالم تھے۔ کنول پانی پتی نے ابتدائی تعلیم
اردو میں حاصل کی اردو کے ساتھ فارسی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ۱۸ برس کی عمر میں آپ نے انبالہ
سے میٹرک پاس کیا۔ اسی زمانے میں غالب، ذوق، انیس اور آتش کے مطالعہ نے آپ کو شاعری کی
طرف راغب کیا۔ دلی یونیورسٹی سے آپ نے ایف۔ اے کیا۔ طالب علمی کے زمانے ہی میں فارسی
کی گلستاں و بوستاں جیسی کتابوں نے سخن فہمی پر مزید صیقل کی۔ ۱۹۳۹ء میں کنول صاحب
بسلسلہ روزگار پانی پت آگئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ پانی پت کی ادبی فضاؤں سے سخن
فہمی کے مزاج کو مزید تقویت پہونچائی۔ یہاں خواجہ سجاد حسین (فرزند مولانا حالی) سے استفادہ
سخن کیا۔ آپ حضرت آفتاب پانی پتی اور کوثر پانی پتی کے دوستوں میں سے ہیں ۱۹۴۷ء کے بعد علامہ
تاجور نجیب آبادی کے شاگرد پنڈت دولت رام صابر کی ادبی صحبتوں سے کنول پانی پتی فیض یاب
ہوتے رہے۔

کنول پانی پتی کی شاعری میں ادب کی کلاسکی روایتیں اور موجودہ دور کے ترقی پسندانہ
رجحان کا امتزاج ہے۔ آپ نے جملہ صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ سونی پت کی ادبی
انجمنوں کے رکن بھی ہیں۔

پتہ

۱۳۲۔ ۱۳۱۔ دیونگر نزد پرم ہنس کٹیا۔ سونی پت۔

کنول پانی پتی

ڈال ڈال روشنی۔ پات پات سائے ہیں
چاندنی نے اپنے گیت سُر بدل کے گائے ہیں

کچھ سوال جا چکے۔ کچھ سوال آ گئے
وہ بھی بن بلائے تھے۔ یہ بھی بن بلائے ہیں

راستوں سے دور دور حوصلے جوان تھے
منزلوں کے پاس پاس پاؤں ڈگمگاتے ہیں

مرگ و زیست بھی وہی۔ صبح و شام بھی وہی
ہم ہوئے کہ غم ہوئے ایک ماں کے جائے ہیں

رات کے مسافروں سے یہ ضرور پوچھنا
کس نگر کو جائیں گے کس نگر سے آئے ہیں

ان اشکوں میں ہے تابانی برابر
ملا ہے آگ سے پانی برابر

وہی ہے مجھ پہ پابندی کا عالم
وہی ہے تری من مانی برابر

تمہارا دیر ہے۔ میرا حرم ہے
تمہاری میری نادانی برابر

جہاں تھی سنگ ساری کی حکومت
وہیں تھی شیشہ سامانی برابر

شکستہ دل ہو۔ یا صحرا کا دامن
بیابانی...... بیابانی برابر

سنایا تھا انہیں حال اپنے دل کا
ابھی تک ہے پشیمانی برابر

وہ چہرا ہو چکا ہے دور کب سے
ہے آئینے کو حیرانی برابر

کسی بھٹکے ہوئے سائل کا مقدر تو نہیں
پوجتے کیوں ہو مجھے میں کوئی پتھر تو نہیں

کیوں قدم مجھ کو اسی سمت لئے جاتے ہیں
ان کی آنکھوں میں میری پیاس کا ساغر تو نہیں

بعد میرے بھی یونہی رنگ شفق پھیلے گا
ڈوبتی شام کا میں آخری منظر تو نہیں

کتنے بے چین ہیں وہ مجھ کو مٹانے کے لئے
صفحۂ زیست پہ میں حرف مکرر تو نہیں

سونی آنکھوں میں وہ گہرائی سمندر کی سی
ان جزیروں میں چھپا کوئی سمندر تو نہیں

○

صدقۂ تیغ و سناں ہونا ہی تھا
یوں بھی میرا امتحاں ہونا ہی تھا

آگ دیتے ہی وہ گھٹ کر مر گیا
تھا ہرا جنگل، دھواں ہونا ہی تھا

بے سبب آنسو بہاتی ہے زمیں
آسماں کو آسماں ہونا ہی تھا

ایک ہی چہرے پہ تھے چہرے کئی
آئینے کو بدگماں ہونا ہی تھا

کتنے ہی پتھر تھے پھولوں کے قریب
حادثہ کوئی وہاں ہونا ہی تھا

جو بھی قطرہ ہے سمندر سا لگے
عزم کو آخر جواں ہونا ہی تھا

شری کرشن کنولؔ ہریانوی

جناب شری کرشن کنولؔ ہریانوی کا تعلق برہمن خاندان سے ہے آپ ۹ مئی ۱۹۲۷ء کو پانی پت ضلع کوروکشیتر میں پیدا ہوئے۔ کنول صاحب نے مڈل تک تعلیم حاصل کی اور فوج میں ملازمت کر لی اور ملازمت کے دوران ہندی اور انگریزی ادب کا مطالعہ کیا۔ آپ کے والد محترم کنول رام شرما ایک غریب اور سادہ لوح کسان تھے۔ آپ کا بچپن تنگ دستی میں گذرا اور جوانی فوج کے سخت ڈسپلن کی چہار دیواری کے خشک ماحول میں بسر ہوئی۔ آپ بطور صوبے دار ۱۹۸۲ء میں ریٹائر ہوئے۔

کنول صاحب کو شاعری کا شوق شروع سے تھا۔ جناب رضا امروہوی سے خط و کتابت بدستور جاری رہی جس سے ذہن کی آبیاری ہوتی رہی اور وہ غزل کی شکل میں بدلتی رہی۔ آپ کی محبوب صنف سخن غزل ہے۔

پتہ

کنولؔ ہریانوی

غزلیں

پتھروں میں زندگی کو ڈھونڈیئے
جنگلوں میں آدمی کو ڈھونڈیئے

لازم و ملزوم ہیں دونوں مگر
تیرگی میں روشنی کو ڈھونڈیئے

ہے تلاشِ حق جو دل کا مدّعا
پہلے خود اپنی کمی کو ڈھونڈیئے

اشک پی کر بھی تو ملتا ہے سکوں
کیا یہ لازم ہے خوشی کو ڈھونڈیئے

آپ کی ہر بات ایسی بات ہے
جیسے کوئی دل نشیں سوغات ہے

کون سی دنیا میں لایا ہے جنوں
ہر طرف ہنگامۂ جذبات ہے

اک چراغِ آرزو تھا بجھ گیا
اب تو قسمت میں اندھیری رات ہے

چاہتا ہے جی کہ مر جائیں ابھی
جی رہے ہیں پھر بھی کوئی بات ہے

زخم دل کے خود بخود بھرنے لگے
یہ بھی شاید سازشِ حالات ہے

ہوتا ہے اثر ان پر کب میری دلیلوں کا
جو ریت پہ لکھتے ہیں اتہاس فصیلوں کا

آنگن میں نمائش ہے مردہ سی مرادوں کی
حسرت کے منڈیروں پر جمگھٹ سا ہے چیلوں کا

لازم ہے جھکے سر بھی محبوب کی چوکھٹ پر
دنیائے محبت میں کیا کام ہٹھیلوں کا

کیا خوف ہواؤں کا ہمت کے چراغوں کا
قدموں میں سمٹ آیا رستہ ہے جو میلوں کا

جینے کے لئے مرنا، مرنے کے لئے جینا
قدرت کی عدالت میں کیا کام وکیلوں کا

وحشت کے اندھیروں سے جھانکے نہ ادھر کوئی
زندہ ہی نہ جل جائے پھر روپ کنور کوئی

اتہاس کے پنوں پر دھبے یہ گناہوں کے
کیا سوچے گا وہ من میں دیکھے گا اگر کوئی

آتش کے سمندر سے بیکس کی صدا تو بہ
سن کر بھی نہیں پگھلا پتھر کا جگر کوئی

شیطانوں کے گھیرے میں سلگی وہ چتا ورنہ
اشکوں سے بجھا دیتا ہوتا جو بشر کوئی

یہ کیسا چھلاوہ ہے فرسودہ رواجوں کا
کب لوٹ کے آئے گی تابندہ سحر کوئی

شعلوں میں جلا کر اب پھولوں سے سجائیں گے
اس روپ کی مورت کو پھر پوجے گا ہر کوئی

ہر شخص بھٹکتا ہوا لگتا ہے کنولؔ شاید
مل جائے تو اچھا ہے سیدھی سی ڈگر کوئی

گھر میں جب دو برتن کھڑکے
دل بے قابو ہو کر دھڑکے

شہزادے کو نیند آئی ہے
شور نہ کر نردھن کے لڑکے

لکھ دو گھر کی دیواروں پر
سوکھے ہونٹ کسی کے پھڑکے

سناٹا ہے شہر وفا میں
بادل گرجیں بجلی کڑکے

کس کس کو سمجھائیں کنولؔ ہم
چلتے ہیں سب لوگ اکڑ کے

اوم پرکاش لاغر

اوم پرکاش لاغر کی پیدائش ۲۲ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جگراؤں ضلع لدھیانہ میں (ننیال) پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن پٹی ضلع امرتسر کے ڈی۔ اے۔ وی ہائی اسکول میں پائی وہیں سے آپ نے مڈل پاس کیا۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا مگر شعر گوئی تحریک آزادی سے متاثر ہو کر شروع کی ۱۹۵۰ء میں آپ نے اپنے اردو کے استاد جناب خلیق بڈھانوی سے اصلاحِ سخن کا آغاز کیا۔ آپ کی سب سے پہلی غزل ۱۹۵۰ء میں روزنامہ "ہند سماچار" جالندھر میں شائع ہوئی فرید آباد میں منتقل ہونے کے بعد آپ نے بطور پراپرٹی ڈیلر اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا جس میں مصروف رہنے کے باوجود شعر گوئی کا شوق بھی قائم رکھے ہوئے ہیں آپ "بزم ادب" فرید آباد کے جنرل سکریٹری ہیں جس کے زیر اہتمام ماہنامہ نشستوں کے علاوہ وسیع پیمانے پر مشاعرے بھی منعقد کراتے رہتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو کی فرید آباد شاخ کے نائب کے صدر ہیں اور ادبی ثقافتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ آپ کے دو مجموعۂ کلام "احساسات" اور "محسوسات" شائع ہو چکے ہیں زبان میں سادگی اور خیال میں ندرت ہے۔ ہندی کے عام فہم اور مروج الفاظ سے ان کا کلام مزین ہوتا ہے۔ نظم اور غزل دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ حضرت خموش سرحدی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ آپ ایک مقبول افسانہ نگار بھی ہیں ہندی رسم الخط میں افسانوں کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

پتہ

بی۔ ۱۷ نہرو گراؤنڈ۔ فرید آباد

اوم پرکاش لاغر

غزلیں

دیر و کعبہ کی عظمت مسلّم مگر
میکدہ بھی خدا ہی کے گھر سا لگے

چاند تاروں کی جو دے رہا ہے خبر
دیکھنے میں تو وہ بے خبر سا لگے

گمرہی میں بھی دیوانۂ دل فگار
منزلِ ہوش کا راہبر سا لگے

یہ جہاں رشکِ جنت کسی کے لئے
اور کسی کو یہی دردِ سر سا لگے

شمعِ عزمِ سفر جلتے ہی راہ میں
ظلمتِ شب میں نورِ سحر سا لگے

جھیل میں ادھ کھلے پھول پر چاندنی
ہمکو منظر پہ تری نظر سا لگے

ہم پہ طوفاں کی نظر عنایت ہوئی
دامنِ موج بھی اپنے گھر سا لگے

شمعِ بزمِ ادب تھا وہ کل تک مگر
آج لاغر چراغِ سحر سا لگے

○

چاندنی رات پھر جگمگاتی رہی
تن بدن کو ہمارے جلاتی رہی

جذبۂ عشق ہے جاوداں دوستو!
موت بھی اس سے نظریں چراتی رہی

عزمِ محکم سے بادِ مخالف سی بھی
شمع جلتی رہی، جگمگاتی رہی

جھیل میں چاند اترا ہوا تھا مگر
یاد کی کنکری ظلم ڈھاتی رہی

زخمِ دل سب ہرے ہو گئے دوستو
ان کی چارہ گری گل کھلاتی رہی

آشیانوں کا دھواں تھا گلستاں کے آس پاس
باغباں کرتا رہا کیا جانے کیا کیا قیاس

دھوپ گلشن سے چرا کر لے گئی پتے ہرے
اب میاں تم! زرد پتوں سے کرو سائے کی آس

میکدے کا کوئی در، کوئی دریچہ وا نہیں
ایسے میں تشنہ لبی کیسے کرے گی التماس

شام ڈھلتے ہی سرِ مژگاں چراغاں دیکھ کر
ہو گیا یک بارگی کیوں آس کا پنچھی اداس

پھٹ گیا جب کشتیٔ خستہ کا لاغر بادباں
دوڑتی آئیں ہوائیں بے تحاشہ بے لباس

لکھا قسمت کا سنتے ہیں کہ بیش و کم نہیں ہوتا
مگر حرص و ہوا کے زخم مرہم نہیں ہوتا

زمانہ چاہیئے اک بیج کو پھل پھول بننے تک
کہ لالہ زار ویرانہ کبھی یک دم نہیں ہوتا

بڑی مدت سے راون کا تشدد زہر افشاں ہے
کسی دشرتھ کے گھر کیوں کوئی پرشوتم نہیں ہوتا

کبھی روتی کبھی ہنستی ہے دنیا دیکھ کر تجھ کو
تری غیرت کا دامن آخرش کیوں نم نہیں ہوتا

کسی کی یاد سے لاغر جو ہم دل میں بسا لیتے
کبھی ہوتا بھی کوئی غم تو وہ پیہم نہیں ہوتا

ظفر حسین مصوّر سبزواری

ظفر حسین نام مصوّر تخلص خاندانی روایت سے سید سلسلہ امامت کی دسویں پیڑھی حضرت امام علی نقی ؑ سے براہ راست ان کے خاندان کی کڑیاں ملتی ہیں۔ اسی نسبت سے آپ نقوی ہیں۔ آپ کے مورثِ اعلا سبزوار ایران سے اخوت و محبت کا پیغام لے کر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اسی پیغام اسن کے مصوّر بھی امین ہیں اور خود کو سبزواری لکھتے ہیں۔ ١٠ر جولائی ١٩٣٤ء کو آپ ضلع مرادآباد کی سنبھل تحصیل میں پیدا ہوئے۔ اردو آپ کی مادری زبان ہے اردو میں ادیب کامل کرنے کے بعد آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور بی۔ ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اور پھر ضلع گوڑگاؤں کی نوح تحصیل میں درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ آپ حضرت غفور سنبھلی کے شاگرد ہیں۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم پیدا ہوا۔ نثر میں تنقیدی مضامین، افسانے، ناولس رسائل میں شائع ہوئے مصوّر سبزواری کا شمار موجودہ عہد کے نمایاں شعرا میں ہوتا ہے فن عروض پر بھی دسترس رکھتے ہیں ان کے کلام میں کلاسکی شاعری اور جدید آہنگ کا خوبصورت امتزاج ہے۔ آپ جدیدیت کی تحریک کے علمبرداروں میں سے ہیں۔ ان کی شاعری اور لہجے میں وطنیت کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ شعر گوئی میں جو تلمیحات، تشبیہیں اور استعارے ان کے یہاں پائے جاتے ہیں ان میں ہندوستان کی دھرتی کی خوشبو ہے۔ مصوّر سبزواری کی شاعری منفرد اسلوب اور منفرد لہجہ ہے۔ غزل کے علاوہ نظمیں، قصائد اور منقبتیں بھی آپ نے لکھی ہیں

مصوّر سبزواری کے تین مجموعہ ہائے کلام "مانجھی دھیرے چل"، "برگ آتش سوار" اور "پت جھڑ کے مسافر" شائع ہو چکے ہیں۔ ١٩٧٣ء میں تذکرہ شعرائے سنبھل پر مشتمل "خزینۂ سخن" بھی ترتیب دے چکے ہیں۔

پتہ

ڈاک خانہ نوح، ضلع گوڑگاؤں۔ ہریانہ

مصور سبزواری

منقبت

بحضورِ مولائے کائنات حضرت علیؓ

تودۂ خاک ہوں مجھ میں وہ نفس کر روشن
جس نفس سے ہوئے جبریل کے شہپر روشن

خم ہوا ہے بارِ ائمہ پائے مناجات پہ آج
ہے مصلّے پہ کوئی دستِ قلندر روشن

چشمِ حیدرؑ ہی نے کی روشنیوں کی تفریق
کچھ منافق بھی تھے مومن کے برابر روشن

کس نمازی کی یہ مسجد نے شہادت دی ہے
خوں سے لبریز ہے محراب تو منبر روشن

لمسِ انگشتِ علیؑ نے تجھے جرأت بخشی
یا علیؑ کہہ کے ہو سنگِ درِ خیبر روشن

غزلیں

اپنے بچھڑے ہوئے غم کا حوالہ نہ بنا
چاند ہالے میں سہی چاند کو ہالا نہ بنا

الجھنیں اور تجاہل سے الجھ جائیں گی
رات کو رات سمجھ دن کا اجالا نہ بنا

خوش ہوں اب میں تو اسی خلوتِ مایوسی میں
مجھکو دم توڑتی چاہت کا سنبھالا نہ بنا

قید کر لے انہیں ہاتھوں کی لکیروں میں مجھے
پھوٹ جاؤں گا کفِ دشت کا چھالا نہ بنا

ظرف ہے شرط مصوّر پئے اخلاص و وفا
دلِ خود بیں کو فقیروں کا پیالا نہ بنا

○

بیرونِ شہر دیکھا ہے کبھی اندر نہیں دیکھا
تماشہ تم نے اپنی آنکھ میں بجھ کر نہیں دیکھا

سوا نیزے پہ سورج دیکھ کے خوش ہونے والوں نے
پہاڑوں سے اترتی شام کا منظر نہیں دیکھا

تھی در پیش اجنبی شہروں کی ہجرت عمر بھر ہم کو
گھروں کی کھڑکیوں سے جھانک کر باہر نہیں دیکھا

شفق کے زینے تک لے بھی گئی شام مہم جوئی
ستارہ در ستارہ روشنی کا گھر نہیں دیکھا

بتائے کون اس بن باس میں کیا قہر ٹوٹا ہے
کسی نے جسم پر اس قافلے کے سر نہیں دیکھا

○

جسم و جاں رہ گئے برباد خرابوں کی طرح
پی گئے لوگ ہمیں مفت شرابوں کی طرح

ہم سے بے مہریٔ موسم کی طرح مت ملئے
ہم بکھرنے کو ہیں اب زرد گلابوں کی طرح

آندھیاں آئی تھیں اوراق پریشاں بنکر
کھلنے پائے نہ ہمیں بند کتابوں کی طرح

پھر چلی ٹوٹتے رشتوں کی وہی تیز ہوا
ہم ہیں اکھڑے ہوئے خیموں میں طنابوں کی طرح

عشق، معیارِ وفا، دوستی، اقدارِ حیات
سب ہی غائب ہوئے منسوخ نصابوں کی طرح

اس سے آگے بھی گزر کر وہی موڑ آتے گا
راہیں بچھ جائیں گی قدموں میں سرابوں کی طرح

نیند گھائل ہی رہی رات مصوّر اپنی
آتے جاتے رہے کچھ خواب عذابوں کی طرح

جو دائروں کی پہنچ سے بہت پرے ہوں گے
ہمارے جسم وہ گمنام مقبرے ہوں گے

سبک سبک کے کسی جلتی ریگ ساحل پر
ہمارے خواب ہماری طرح مرے ہوں گے

ہوں اس درخت کے پہلو یں صبح تک جس کے
تمام پتے مرے خون سے ہرے ہوں گے

یں سادہ لوح اسی آس پر تو لوٹا تھا
کہ میرے پھول ابھی گلدان یں دھرے ہوں گے

گئے دنوں کا ہے احساس کس قدر شاداب
گنو گے بیٹھ کے جب زخم سب ہرے ہوں گے

لئے پھرو گے یونہی روحِ لمحہ خالی
تمہارے جسم بظاہر بھرے بھرے ہوں گے

مصوران کا تحفظ تھا میرا پاگل پن
مرے بغیر یہ جنگل بہت ڈرے ہوں گے

بال کرشن مضطر

بال کرشن مضطرؔ کی پیدائش ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۱ء کو کوروکشیتر (ہریانہ) میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت کا سلسلہ دہلی اور لاہور میں رہا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ حصول تعلیم کے لیے لاہور گئے۔ وہاں آپ کو اردو کے مشہور طنز و مزاح نگار، پرنسپل کنہیا لال کپور کی قربت حاصل ہوئی جس سے نثر و نظم کے مطالعے اور لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ نے علامہ اقبال، تاجور نجیب آبادی، مولانا عبدالمجید سالک، فیض احمد فیض اور منور لکھنوی کے کلام سے استفادہ کیا اور آپکا فنی شعور سنورا اور نکھرا۔ آپ آل انڈیا ریڈیو لاہور اور دہلی میں اسکرپٹ رائٹر بھی رہے۔ ادبی رسائل "راہی"، "ایشیا"، "منزل"، "دستک" وغیرہ کے ادارۂ تحریر میں شامل رہے ہیں۔ آج کل کوروکشیتر سے "چٹان" نکال رہے ہیں۔ آپ نے کوروکشیتر پر متعدد تحقیقی مضامین تحریر کیے ہیں۔ اور ان کی تصنیفات "شام میکدہ"، "تپشِ شوق"، "رزم نامۂ شوز وطن"، "مہک"، "گہرا" وغیرہ ادبی حلقوں میں مقبول ہوئی ہیں۔ انداز کلام میں کلاسکی رچاؤ ہے اور زبان کی صفائی و سادگی پر تاثیر ہے۔

مضطرؔ صاحب اسٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے سکریٹری بھی رہے اور عملی سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے جس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ عقیدے کے لحاظ سے سیکولر ہیں اور تمام مذاہب کے بانیوں اور بزرگوں سے دلی عقیدت رکھتے ہیں۔ مضطرؔ صاحب مونسپل کمیٹی تھانیسر کے پریذیڈنٹ رہے ہیں۔ نیز ہریانہ اردو اکادمی اور ہریانہ ساہتیہ اکادمی کے رکن بھی نامزد ہوئے۔ کوروکشیتر کی معزز شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنی زمینداری کی دیکھ بھال میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے ساتھ اردو، ہندی، انگریزی کے شعر و ادب کا مطالعہ بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔

پتہ

راج محل، کوروکشیتر (ہریانہ)

غزلیں

غبارِ رہ گذرِ حسنِ یار باقی ہے
گئی بہار فریبِ بہار باقی ہے

یہ بار بار جو اٹھتے ہیں ہاتھ وحشت میں
ضرور کوئی گریباں میں تار باقی ہے

نہ ڈوب میری تمنا کے ماہتاب ابھی
ٹھہر ٹھہر کہ شبِ انتظار باقی ہے

اٹھا اٹھا ارے پائے طلب اٹھا ناکام
ہنوز گردشِ لیل و نہار باقی ہے

شرابِ حسنِ ازل پی تھی جو کبھی مضطر
اسی کا روح میں اب تک خمار باقی ہے
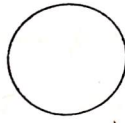
فریبِ رنگ و بو میں آ رہا ہوں
یہ دھوکا جان کر میں کھا رہا ہوں

تصور میں ہوں سرگرمِ تکلّم
شبِ غم دل کو یوں بہلا رہا ہوں

مری ظلمت میں وہ تابانیاں ہیں
جمالِ طور کو شرما رہا ہوں

فضائے دہر میں تحلیل ہو کر
جہاں کی وسعتوں پر چھا رہا ہوں

قنوط و یاس کی تاریکیوں میں
امیدوں کی شعاعیں پا رہا ہوں

مسلسل ہچکیاں شاہد ہیں مضطرؔ
یقیناً میں انہیں یاد آ رہا ہوں
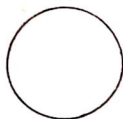
خجل ہیں انجم و شمس و قمر بھی
رخِ تاباں کی تابانی نہ پوچھو

کرے گا آئینہ حل یہ معمہ
مجھی سے میری حیرانی نہ پوچھو

بیاباں عکس ہے ہلکا سا اس کا
ہمارے گھر کی ویرانی نہ پوچھو

مجھے کہتا ہے چل بزمِ عدو میں
دلِ ناداں کی نادانی نہ پوچھو

حباب آتا ہے مضطر اپنی ہستی
ثباتِ عالمِ فانی نہ پوچھو

متفرقات

فکرِ مآلِ کار نہ دامن پکڑ میرا
ہونے دے جذبِ جلوۂ حسنِ بتاں مجھے

مضطر ہنوز رہنے دے محوِ مشاہدات
کرنے ہیں آج زارِ دو عالم عیاں مجھے

بلجیت سنگھ مطیر

بلجیت سنگھ نام مطیر تخلص ۸ مارچ ۱۹۳۷ء کو دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد بسلسلۂ روزگار دہلی تشریف لے آئے اور یہیں سے ایم۔اے اردو کی سند حاصل کی۔ ان دنوں آپ ترقی اردو بورڈ سے وابستہ ہیں۔

مطیر صاحب بنیادی طور پر شاعر ہیں۔ ابتدا غزل سے ہوئی۔ آپ جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ لیکن قطعات اور غزلیات میں فطری اور تخلیقی جوہر کی اثر آفرینی زیادہ نمایاں ہے۔ نثر نگاری میں بھی مہارت رکھتے ہیں تحقیق و تنقید سے رغبت ہے۔ بڑے استحکام سے ادبی سفر کی منازل طے کر رہے ہیں۔

تصانیف:۔ "حسن و نور" (قطعات) "زندگی سے موت تک" (مجموعۂ کلام) "بوند بوند آگ" (قطعات) "مشاہدۂ غالب" (نثر) ۱۹۶۹ء "گیتا اور غالب" (نثر) ۱۹۶۹ء "باکھیا سہت" "دیوان غالب" (دیوناگری نثر) ۱۹۶۹ء "غالب کی کہانی اسی کی زبانی" (دیوناگری نثر) ۱۹۶۹ء غالب اینڈ ۱۸۵۷ء (انگریزی) ۱۹۶۹ء فن طباعت (انعام یافتہ نثر) ۱۹۷۶ء "اخبار نویسی کے ابتدائی اصول" ۱۹۷۷ء "حکیم آغا جان عیشؔ اور ہریانہ کے دیگر مشاہیر" (انعام یافتہ) "اردو کا مکمل باغی شاعر کبیر" (انعام یافتہ) "آخری کلام واکھ اوٹ"۔

تالیف:۔ "چار درویشوں کی کہانی" ۱۹۷۰ء (مرتبہ) "فکر و جذبہ" ۱۹۷۰ء (مرتبہ)

تراجم:۔ گورو گوبند صاحب کی منظوم فارسی "ظفر نامہ" کا پنجابی زبان میں ترجمہ "وچے پتر" شائع ہو چکا ہے۔ ترقی اردو بیورو کی ۳ کتابوں کا اردو ترجمہ کیا جو شائع ہو چکا ہے۔

مطیر صاحب نے ایک طویل غزل بھی لکھی ہے جو نو سو چار اشعار پر مشتمل ہے۔ "ہمیر راسو" اور "منتخب کلام محمد قلی قطب شاہ" زیر ترتیب ہیں۔

مطیر صاحب کو مرکزی ساہتیہ اکادمی نئی دہلی نے کبیر اور غالب کا تقابلی مطالعہ لکھنے کے لئے ایک برس تک ایک ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا۔ اردو جریدے "تناظر" (سہ ماہی) کے اعزازی معاون مدیر ہیں۔

پتہ

۱/۲۷۷ پٹیل پارک۔ بہادر گڑھ ضلع روہتک (ہریانہ)

بلجیت سنگھ مطیرؔ

قطعات

○

صحنِ گلشن سے نکل، بوئے گلستاں ہو جا
قید مژگاں میں نہ رہ دیدۂ حیراں ہو جا
ساری دنیا تجھے دیکھے گی محبت سے مطیرؔ
زلفِ جاناں کی طرح تو بھی پریشاں ہو جا

○

ظلمت جور کو کہتے ہیں کہ تنویر کہو
آہ و فریاد کو کہتے ہیں کہ تقصیر کہو
اس سے بڑھ کر بھی ہے دنیا کوئی ظلم اے دوست
رنج و افلاس کو کہتے ہیں کہ تقدیر کہو

یہ کس کو سجدہ کیا آج ساری دنیا نے
یہ کس کے نقشِ قدم چومتے ہیں فرزانے
گیا ہے کون ادھر سے گرا کر اپنا لہو
کہ گل فروش نظر آرہے ہیں ویرانے

○

دردِ غم کی منزلِ دشوار، آساں ہوگئی
غیرتِ ویرانہ تھی، رشکِ گلستاں ہوگئی
موت کے ہونٹوں پہ پھیلی مسکراہٹ جب ملیر
زندگی سو جان و دل سے اس پہ قرباں ہوگئی

باواکرشن گوپال مغموم

جناب باواکرشن گوپال مغموم ۱۸ دسمبر ۱۹۱۶ء کو موضع دوبھل ضلع اٹک (پاکستان) کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اردو میں ہوئی۔ ۱۳ برس کی عمر میں آپ کی شاعری کا آغاز ہوا۔ ۱۹۳۸ء میں آپ نے لاہور سے بی۔اے کیا۔ قیام لاہور کے دوران علامہ تاجور نجیب آبادی سے آپ کی قربت رہی۔ تاجور صاحب نے اپنی کتاب "بہارستان" میں بھی مغموم صاحب کا ذکر کیا ہے آپ ہندو مسلم اتحاد تحریک رفاقت سے وابستہ رہے ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں منشی تلوک چند محروم سے اصلاح لی اور بعد میں علامہ سرور لکھنوئی کے شاگرد ہوئے آپ کا کلام ملک کے مختلف رسائل میں چھپتا رہتا ہے۔ ان کا تحقیقی مقالہ "درگاہہائے سرور جہاں آبادی" ادبی حلقوں میں کافی مشہور ہے۔

مغموم صاحب کو مختلف ریاستی اردو اکادمیوں اور ادبی تنظیموں سے اعزاز و انعام بھی مل چکے ہیں۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۲ء تک مغموم صاحب روہتک اور کرنال کے اضلاع میں کواپریٹیو سوسائٹی کے محکمے میں سب انسپکٹر ملازم رہے۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۷۴ء تک سرکاری ملازمت میں ترقی کی منازل طے کرتے رہے ۱۹۷۴ء میں ہریانہ سرکار کے وزیر خزانہ کے سکریٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے مغموم صاحب امریکہ میں ۹ برس رہے اس قیام کے دوران آپ نے اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں نمایاں رول ادا کیا۔ غیر ملکی ریڈیو اور ٹی وی پر ان کا کلام نشر ہوتا رہا۔ نیویارک میں آپ کو "ادبی سنگم" کا پہلا انعام ــــــــــ بھی حاصل ہوا۔ امریکہ کی "حسینی ڈے" کمیٹی سے بہترین سلاموں اور نعتوں پر بھی انعام ملا۔ آپ پورے یورپ کا سفر کر چکے ہیں اور سفر کے مشاہدے انکی چند نظموں میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ مغموم صاحب کا جذبہ حب الوطنی ان کے کلام میں بدرجہ اتم جھلکتا ہے۔ آپ کی مطبوعہ تصنیفات ہیں "بیداری وطن" "نقوش حسن" "رباعیات مغموم" "آرزو کے خواب" "آرزوؤں کے جزیرے" اور "بزم ماتم" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ درج ذیل مجموعے زیر ترتیب ہیں۔ "نقوش جمال" "جہاں نما" (رباعیاں) "جادۂ شوق" (غزلیں) اور "دیپک راگ" (قطعات)

آپ کے کلام میں پختگی اور برجستگی ہے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں، کلاسکی رنگ میں ان کے نکھرے ستھرے اشعار کے مطالعہ سے قاری کے ذہن و دل متاثر ہوتے ہیں۔

پتہ :- ۱۳۱۷ سیکٹر ۱۸ سی۔ چنڈی گڈھ۔

باوا کرشن گوپال مغمومؔ

غزل

آج یاد آئے فسانے کتنے
گزرے نظروں سے زمانے کتنے

ہر "حقیقت" ہے بھیانک کتنی
خواب ہوتے ہیں سہانے کتنے

ہم سے اربابِ جنوں کی خاطر
گل کھلائے ہیں صبا نے کتنے

میری آنکھیں ہیں اداسی کی کتاب
اس میں لکھے ہیں فسانے کتنے

ہائے ری قوم! ترے جھگڑوں میں
ہوئے برباد گھرانے کتنے

بن گئے سازش و شورش کے مقام
آج مذہب کے ٹھکانے کتنے

دل جو مغمومؔ! تڑپ اٹھتا ہے
لب پہ آتے ہیں ترانے کتنے

غزل کہتے کہتے جگر یاد آیا
محبت کا وہ نغمہ گر یاد آیا

وہ عالم محبت میں مجھ پر بھی گزرا
مجھے میرے آشفتہ سر یاد آیا

نہ جس کے مقدر میں تھا وصل منزل
مجھے پیار کا وہ سفر یاد آیا

جدائی میں چھپ چھپ کے آنسو بہانا
ترا سلسلہ چشم تر یاد آیا

مری زندگی جس نے یکسر بدل دی
وہ افسانۂ مختصر یاد آیا

جو ہر سانس میں تھا، جو ہر آہ میں تھا
وہ شعلہ، وہ رقص شرر یاد آیا

مرے فن کی مغموم وہ آبرو ہے
مجھے بارہا بھول کر یاد آیا

غزل

اے شخص! تو آفاق کے سینے کا دھواں دیکھ
غارت گریِ امن کے شعلوں کو عیاں دیکھ

اب نام کو بھی نقشِ محبت نہیں باقی
نفرت کے نشانات یہاں دیکھ وہاں دیکھ

گردن زدنی ہو کے رہے امن کے حامی
اس دور میں شمشیر و تشدد کو رواں دیکھ

اے میرے وطن! خون خرابہ ہے یہ کیسا
تکتی ہیں برابر تجھے اقوامِ جہاں، دیکھ

اس دورِ مہذب میں بھی اے پیکرِ تہذیب
ہر گام پہ خونِ رگِ انساں ہے رواں دیکھ

اُف! ڈوب گئی خون میں اک امن کی دیوی
اے قوم! تو ماتم میں زمیں دیکھ، زماں دیکھ

مغموم! وطن ہی پہ نہیں، روئے زمیں پر
چھایا ہوا اک ہیبت و وحشت کا سماں دیکھ

غزل

اے مسافر! چلا ہے کدھر ان دنوں؟
ہر قدم پر ہے خوف و خطر ان دنوں؟

کیسا بے اعتباری کا دور آگیا
اپنے ہمسائے سے بھی ہے ڈر ان دنوں

دل ہے وحشت زدہ، جان سہمی ہوئی
شام کیسی؟ کہاں کی سحر ان دنوں

دوست دشمن کی اب کیسے پہچان ہو
اٹھ گیا اعتبارِ نظر ان دنوں

راہ ہے پر خطر اور منزل ہے گم
سخت حیران ہے راہبر ان دنوں

باغبانو! تحفظ گلستاں کا ہو
مائلِ شر ہیں برق و شرر ان دنوں

جستجو اس کی مغموم بے کار ہے
ہے کہاں کوئی صاحب ہنر ان دنوں

منوہر لال منوہر

جناب منوہر لال منوہر ہریانہ کے بزرگ شاعر، معمر ادیب ہی نہیں بلکہ نامور مجاہد آزادی بھی ہیں۔ آپ ۱۹۱۰ء کو بہادر گڑھ کے ایک اعلا خاندان میں پیدا ہوئے۔ وطن پرستی کا جذبہ ان کی خاندانی وراثت رہا۔ تحریک آزادی میں آپ نے بھی دوسرے مجاہدینِ آزادی کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اس سلسلے میں برطانوی سامراج سے منوہر صاحب کو پریشانیاں بھی اٹھانی پڑیں۔

زمانۂ طالب علمی میں آپ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ اپنی شاعری کے حوالے سے آزادی کی تحریک میں انہوں نے نمایاں رول ادا کیا۔ ۱۹۲۸ء میں آپ بہادر گڑھ سے گوڑگاؤں آگئے، اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ گوڑگاؤں میں اردو کی ترویج و ترقی کے لئے آپ نے نمایاں اقدامات کئے۔ کئی ادبی انجمنوں کی داغ بیل بھی ڈالی جو اردو کے فروغ میں کام کر رہی ہیں۔

منوہر لال منوہر اس وقت ہریانہ کے چند اہم معمر شعراء میں سے ایک ہیں، غزل، نظم قطعات، رباعیات وغیرہ میں آپ کو مہارت ہے ملک کے بیشتر رسائل و جرائد میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔

پتہ

منوہر بھون۔ گاندھی چوک۔ گوڑگاؤں (ہریانہ)

حمد

اے نگہبانِ چمن اے کارسازِ دو جہاں
تیری شانِ کبریائی ہو نہیں سکتی بیاں
چاند سورج اور ستارے یہ زمین و آسماں
آب و آتش باد و باراں اور بحرِ بیکراں
سب تری صنعت ہیں یہ اے خالقِ کون و مکاں
ذرے ذرے سے ہیں ظاہر تری عظمت کے نشاں

تیری حکمت سے عیاں ہے شان تیری اسقدر
بے خبر ہیں جس سے اہلِ دانش و اہلِ نظر
رونما ہوتے ہیں جلوے وہ ترے شام و سحر
کانپتے ہیں منکر و کافر بھی جن کو دیکھ کر
کیا کوئی غافل بھلا سمجھے گا ترے راز کو
کان بہرے سن نہیں سکتے تری آواز کو

زعم ہو طاقت کا جس کو اسکی طاقت چھین لے
جس کو ہو دولت کا نشہ اسکی دولت چھین لے
فخر ہو عزت پہ جن کو اسکی عزت چھین لے
تو اگر چاہے تو حاکم کی حکومت چھین لے
ایک پل میں چھین لے تو بادشہ کے تاج کو
اور وہی تخت حکومت سونپ دے محتاج کو

○

قطعات

○

وہی رشکِ چمن جو زینتِ آغوش تھا کل تک
تصوّر میں بھی آتا ہے تو یوں آنکھیں چراتا ہے
کوئی سرمایہ دارِ بے مروّت جس طرح فوراً
کسی نادار کی دیرینہ خدمت بھول جاتا ہے

○

فصلِ گل ہوتے ہوئے ذکرِ خزاں کرتے ہو کیوں
خود ہی تم برباد اپنا گلستاں کرتے ہو کیوں
کیا جنوں تم کو ہوا ہے ہم صفیرانِ چمن
اپنے ہاتھوں نذرِ آتش آشیاں کرتے ہو کیوں

متفرقات

مجھے خود بے اثر اپنی فغاں معلوم ہوتی ہے
مقدر کی جو پستی ہے عیاں معلوم ہوتی ہے

محبت کی کہیں بو بھی نہیں ملتی زمانے میں
محبت اس جہاں سے بے نشاں معلوم ہوتی ہے

نظام مے کدہ کچھ ہو گیا زیر و زبر ایسا
انہی کو جام ملتا ہے جنہیں پینا نہیں آتا

بکھیڑوں میں زمانے کے منوہر پھنس گیا ایسا
کہ اب تو زندگانی بھی گراں معلوم ہوتی ہے

موہن لال ورما مینکش

موہن لال ورما مینکش کا شمار ہریانہ کے معمر شعراء میں ہوتا ہے، آپ پاکستان سے تقسیم ملک کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور کرنال (ہریانہ) میں سکونت اختیار کی۔ آپ نے وہاں دیال سنگھ کالج سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اور ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ آجکل آپ ضلع ریڈکراس سوسائٹی کرنال میں اسٹینٹ سکریٹری ہیں، اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۵۵ برس ہے شاعری کا شوق آپ کو طالب علمی کے زمانے سے تھا رفتہ رفتہ یہ شوق چڑھتا گیا۔ قیام کرنال کے دوران وہاں کی ادبی فضا نے اس ذوق کو مزید تقویت پہونچائی اور آپ باقاعدہ شعر کہنے لگے۔ آپ کی محبوب صنف سخن غزل ہے۔ کلام میں سلاست اور پختگی پائی جاتی ہے۔ مینکش صاحب کرنال کی کلچرل اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ گذشتہ ۲۰ برس سے آپ "کلام سنگم" (کلچرل ادارہ) سے وابستہ ہیں۔

پتہ

سی۔۵۵۲۔ چوڑا بازار۔ کرنال

موہن لال ورما بیکش

غزلیں

رات ڈھلتی ہے دن نکلتا ہے
وقت بھی پیرہن بدلتا ہے

دیکھئے حشر آرزو کیا ہو
ان سے ملنے کو جی مچلتا ہے

وادیٔ عشق میں نہ حد سے گزر
کون گر کر یہاں سنبھلتا ہے

اک ہمیں تو نہیں ہیں کشتۂ غم
تیشۂ وقت سب پہ چلتا ہے

ہوتے ہوتے وفا کا ہوگا اثر
جلتے جلتے چراغ جلتا ہے

ساری باتیں ہیں صرف کہنے کی
آگ میں کس کی کون جلتا ہے

ایک اک پھول باغِ حسرت کا
فصلِ گل میں لہو اگلتا ہے

اور کب تک ہو انتظار تیرا
اب تو بیکش کا دم نکلتا ہے

دیدۂ تر کی بھی آبرو کیجیے
آنسوؤں سے کبھی تو وضو کیجیے

بھرنے والے نہیں میرے زخمِ جگر
چاک دامن کہاں تک رفو کیجیے

زندگی کا نہیں جس میں نام و نشاں
ایسے جینے کی کیا آرزو کیجیے

کون کہتا ہے ہم شکل ہوتے نہیں
آئینہ لیجیے رو برو کیجیے

آپ کی سب تمنائیں بر آئیں گی
جستجو کی طرح جستجو کیجیے

جس سے ممکن ہو رسوائیوں کا سبب
بھول کر بھی نہ وہ آرزو کیجیے

اور بھی کام کرنا ہے میکشؔ یہاں
زندگی کو نہ وقفِ سبو کیجیے

متفرقات

اپنوں سے میں واقف تھا نہ بیگانوں سے واقف
اے گردش دوراں تیرا احسان بہت ہے

ملنا تو مقدر کا مقدر ہے ازل سے
بجلی کو میرے تنکوں کی پہچان بہت ہے

دل بیچ کے سودائے محبت نہ خریدو
اس جنس کے سودے میں تو نقصان بہت ہے
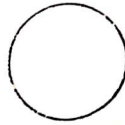
بھولنے والے مجھے دل سے بھلایا ہوتا
کم سے کم ایک تو احسان جتایا ہوتا
لوگ کہتے ہیں کہ تو بگڑی بنا دیتا ہے
میں تو جب جانوں مرا بخت بنایا ہوتا
اب زمانے میں کسی کا نہیں قدر مری
تو نے نظروں پہ چڑھا کر نہ گرایا ہوتا

اشکوں کے چراغوں کا کیا خوب مقدر ہے
شادی ہو کہ ماتم ہو۔ ہر حال میں جلتے ہیں
کتنا بھی بچو ان سے بچنا ہے محال اے دل
[illegible] میکش ہیں۔ کب ٹالے سے ٹلتے ہیں

رام لعل نابھوی

رام لعل نابھوی کی پیدائش ۱۶ ستمبر ۱۹۱۸ء کو نابھہ ضلع پٹیالہ (پنجاب) میں ہوئی۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ آپ نظم اور نثر دونوں میں اپنے قلم کے جوہر دکھاتے ہیں۔ ان کا شمار ہندوستان کے مشہور طنز و مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔

آپ کی مطبوعات حسب ذیل ہیں۔

"تبسم" (طنزیہ و مزاحیہ خاکوں کا مجموعہ) "اردو ادب میں طنز و مزاح" (ایک مکمل مقالہ) "آم کے آم" (انشائیے) "اردو ادب میں رام کا تصور" (طویل مقالہ) "منشی پریم چند اردو میں نئے افسانے کے بانی" (ایک مکمل مقالہ)۔

رام لعل نابھوی اپنی مطبوعات پر ملک کی مختلف اکادمیوں سے انعامات حاصل کر چکے ہیں۔ آپ دوردرشن جالندھر کی ایڈوائزری کمیٹی کے ممبر بھی ہیں۔ ان کے کلام بھی اور مزاحیہ مضامین ملک اور بیرون ملک کے مختلف رسائل اور جرائد کی زینت بنتے رہتے ہیں اور ٹی وی ریڈیو سے نشر بھی ہوتے رہتے ہیں۔

پتہ:- محلہ دیوان۔ نابھہ (پنجاب) ۱۴۷۲۰۱

رام لعل نابھوی

مسکراؤ ہنسی کی بات کرو
ہنس پڑو اور خوشی کی بات کرو

معنی رنج و غم بھلا ڈالو
جب ملو دل لگی کی بات کرو

دشمنی کر کے تم نے کیا پایا
پھر سے کچھ دوستی کی بات کرو

موت سب کچھ سمیٹ لے گی میاں
دو گھڑی زندگی کی بات کرو

اب اندھیروں کا ذکر کیا معنیٰ
چاند سے چاندنی کی بات کرو

کس لیے توڑتے ہو دل میرا
کچھ تو دل بستگی کی بات کرو

جب ملو نابھوی سے ہنس کے ملو
پھول یا پنکھڑی کی بات کرو

(پیروڈی)

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
کیا چیز ہے جنّت کا تماشا مرے آگے

مے پی کے میں اللہ [illegible] کے دربار میں پہنچوں
پھر دیکھوں کہ کیا ر[illegible] ہے اس کا مرے آگے

قطعات و غزلیات [illegible] کے انبار لگا دوں
رکھ دے کوئی پیمانۂ ص[illegible]با مرے آگے

دوزخ سے [illegible] مطلب ہے نہ جنت سے سروکار
اک طرفہ تماشا ہے یہ دنیا مرے آگے

روتی ہیں مرے ہجر میں حورانِ بہشتی
کیوں کر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے

دائیں ہے جو سقراط تو بائیں ہے ارسطو
پیچھے مرے لقمان [illegible] مسیحا مرے آگے

ایمان کی پوچھو تو ایمان کی یہ [illegible] ہے
بت خانہ نہ مسجد نہ [illegible] مرے آگے

کچھ روز میں آجائے گی [illegible] کی بھی بوتل
فی الحال یہی رہنے دو ٹھرّا مرے آگے

ہریش چندر ناز

ہریش چندر ناز کی پیدائش ۲۷ جولائی ۱۹۲۸ء کو قصبہ شہر سلطان تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے سونی پت میں مستقل سکونت اختیار کی اور ہریانہ گورنمنٹ کے محکمۂ تعلیم میں ملازمت کر لی۔ اردو ہندی اور پنجابی زبان میں آپ کو مہارت حاصل ہے۔

ناز صاحب کو شاعری کا شوق اوائل عمر سے ہے۔ آپ نے دیوان بیدا رام دلوان اور ان کے بعد جناب منوہر لعل شہید سے مشورۂ سخن کیا۔ صنفِ غزل کی طرف رجحان زیادہ ہے زبان میں سلاست اور انداز بیان میں سادگی ہے۔ ملتانی زبان میں بھی شعر کہنے کا شوق رکھتے ہیں۔ "ادبی سنگم سونی پت" کے نائب صدر ہیں اور اردو زبان کے فروغ میں سرگرم و کوشاں رہتے ہیں۔ مقامی لائبریری کے منتظمین میں سے ہیں۔ خواہشمند نوجوانوں کو اردو پڑھنا لکھنا سکھاتے ہیں۔ ہریانہ کے محکمۂ تعلیم سے ۱۹۷۵ء میں اعلا کارکردگی کے لئے "ٹیچر اسٹیٹ ایوارڈ" حاصل کر چکے ہیں۔

پتہ

گڑھی گھسیٹا ۔ پانی پت (ہریانہ)

○

کس طرح دکھلاؤں میں دردِ نہاں! فرمایئے
رازِ الفت کون کرتا ہے عیاں! فرمایئے
پر لگا کر اڑ گئی انسان کی انسانیت
حضرتِ انساں اسے ڈھونڈے کہاں! فرمایئے
لامکاں ہے والیِ کون و مکاں ہم کیا کریں
سر جھکانے کو ہے کوئی آستاں فرمایئے
آپ کی رحمت کی طالب ہے نگاہ ناز بھی
ہو اجازت تو سناؤں داستاں! فرمایئے

○

کیا خبر کہ آدمی کی ذات
آدمیت سے بے خبر ہو گی
ہو گا دل کو قرار بھی حاصل
جب کرم کی ترے نظر ہو گی

ہمّت سنگھ سنہا ناظم

جناب ہمّت سنگھ ناظم یکم دسمبر ۱۹۲۸ء کو حسن پور ضلع مراد آباد (یوپی) کے کائستھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد محترم دلیپ سنگھ حسن پور کے مشہور ڈاکٹر تھے۔ ناظم صاحب نے میٹرک تک تعلیم میرٹھ میں حاصل کی اور بی۔اے، ایم۔اے (فلاسفی) پنجاب یونیورسٹی سے اور پی۔ایچ ڈی کی اسناد میرٹھ یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ بی۔اے میں اردو اور فارسی آپ کے مضامین رہے موصوف کے دادا منشی سندر لال فارسی کے بڑے عالم تھے انہیں کی تربیت میں ادبی شوق پروان چڑھا۔ آپ نے سنسکرت کی تعلیم بعد میں حاصل کی۔ ۱۹۶۱ء میں بھنڈا (پنجاب) کے گورنمنٹ کالج میں معلّم مقرر ہوئے ۱۹۶۳ء میں کوروکشیتر یونیورسٹی میں فلاسفی کے لکچرار ہوئے۔ آجکل آپ کوروکشیتر یونیورسٹی میں شعبہ فلاسفی کے صدر ہیں۔ چار برس اسی یونیورسٹی میں یوتھ ویلفیر محکمہ کے ڈائریکٹر رہے اور طلبار کی ادبی اور کلچرل سرگرمیوں کے اہتمام سے وابستہ رہے۔ جن میں مشاعرہ، محفل رقص موسیقی وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں ہندی روزنامہ "ترون دیپ" اور "دیپک کرن" کے مدیر رہے انداز بیان میں روایت کی پاس داری ہے۔ اور اکثر اشعار میں قلبی کیفیات کا اظہار یہ طریق احسن نمایاں ہے۔

ناظم صاحب نے ہندی اور انگریزی میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں اور اردو میں بہت سے مضامین لکھے جو مختلف اخباروں اور ماہ ناموں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ناظم صاحب بھارت سرکار کی مرکزی ہندی ڈائریکٹریٹ کے اردو، فارسی سے ہندی اور ہندی سے اردو، فارسی میں ترجمہ کے لئے نیشنل رجسٹر میں بطور مترجم شامل ہیں۔ آپ کی محبوب صنف غزل ہے۔ ابتدا میں آپ نے واقف مراد آبادی سے اصلاح لی مگر بعد میں قیس جالندھری کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ آپ انجمن ترقی اردو کوروکشیتر کے ۱۹۶۸ء سے نائب صدر ہیں اور "بزم سخن" کے ایک اہم رکن بھی ہیں۔

پتہ

کوروکشیتر یونیورسٹی۔ کوروکشیتر (ہریانہ)

غزلیں

محفل میں تمہارا کبھی چرچا نہیں کرتے
اے پردہ نشیں ہم تمہیں رسوا نہیں کرتے

جن رندوں پہ ہوتی ہے نظر پیر مغاں کی
وہ تذکرہ ساغر و صہبا نہیں کرتے

یہ طرزِ فغاں عشق کی توہین ہے یکسر
یوں حسن پرستی کا تماشا نہیں کرتے

ڈر روزِ جزا کا نہ انہیں خوفِ خدا ہے
احباب جو کرتے ہیں وہ اندا نہیں کرتے

ناظم پہ کبھی ایک نظر لطف و کرم کی
ہر وقت ہی اغیار کو دیکھا نہیں کرتے
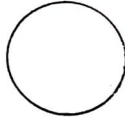
رات دن سامنا ہے قاتل کا
ہمنشیں حال کیا کہوں دل کا

بے دِلی گُل کھلا رہی ہے اب؟
جیسے انجام آگیا دل کا

ناز اٹھاتا ہے تیغ قاتل کے
حوصلہ ہے یہ من چلے دل کا

ان کے منہ پر انھیں کے شکوے ہیں
کوئی دیکھے یہ حوصلہ دل کا

حرم و دیر، خلد و عرش سے بھی
ناظم اونچا ہے مرتبہ دل کا
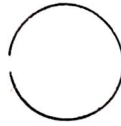
ایمان و کفر و شرک پہ چھائے ہوئے ہو تم
سکّہ اک ایک دل پہ جمائے ہوئے ہو تم

اس کے طفیل دونوں جہاں ہیں ضیا فروز
جو شمع اپنے دل میں جلائے ہوئے ہو تم

یوں محو ہوں تمہارے خیال جمیل میں
جیسے کہ روبرو مرے آئے ہوئے ہو تم

میرے لئے ہے راحتِ جنت سے بھی سوا
اس اجڑے دل کو جب سے بسائے ہوئے ہو تم

کچھ ناظمِ غریب پہ ہی منحصر نہیں
گرویدہ اک جہاں کو بنائے ہوئے ہو تم

جس طرف ان کی نظر ہو جائے گی
ساری دنیا ہی اُدھر ہو جائے گی

خضرِ رہ کی آرزو مجھکو نہیں
خود طلب ہی راہ بر ہو جائے گی

خود بخود کھنچ کر چلے آئیں گے وہ
آہِ دل جب با اثر ہو جائے گی

ضبط دل مجھکو کہاں تھی یہ خبر
عشق کی سب کو خبر ہو جائے گی

ڈر نہ اے دل جو شبِ غم ہے طویل
نکلے گا سورج سحر ہو جائے گی
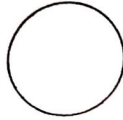
نقشہ تو خوب کھینچا ہے فردوس کا مگر
اے شیخ تیری بات کا کیا اعتبار ہے

اوروں کی عیب جوئی کا کیا حق ہمیں ندیم
چہرہ تو اپنا خود ہی بہت داغ دار ہے

کلیاں اداس دیکھ کے کیسے میں مان لوں
آئی ہے پھر بہار گلوں پہ نکھار ہے

دیکھو تو ذرے ذرے میں قدرت کی ہے جھلک
ہر پھول اس کے حسن کا آئینہ دار ہے

تقدیر کا نوشتہ تو مٹتا نہیں کبھی
نشتر فضول بات غمِ روزگار ہے

بزمِ جہاں کے یارو نقشے بدل رہے ہیں
یخ بستہ کوہ اب تو شعلے اگل رہے ہیں

ایجاد ہو رہے ہیں سامان عیش و عشرت
عابد ہیں غرق مستی زاہد پھسل رہے ہیں

دورِ خزاں سے بدتر دیکھی بہار ہم نے
کلیاں جھلس رہی ہیں اور پھول جل رہے ہیں

اطوار رہبروں کے بدتر ہیں رہزنوں سے
ہر ہر قدم پہ اپنے چہرے بدل رہے ہیں

اک مہر سی لبوں پر نشتر لگی ہوئی ہے
ارمان جانے کتنے سینے میں پل رہے ہیں

محمد یونس یونس

جناب یونس صاحب ۱۴؍ اکتوبر، ۱۹۲۷ء کو موضع بیواں تحصیل فیروز پور جھرکا ضلع گوڑگاؤں میں پیدا ہوئے۔ یہیں سے آپ نے مڈل اور ۱۹۴۴ء میں برین میو ہائی اسکول نوح سے میٹرک پاس کیا۔ ۱۹۴۶ء میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ایف۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کی وجہ سے علی گڈھ چھوڑنا پڑا۔ بعد میں پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڈھ سے بی۔ اے اور ایم۔ اے (اردو) کی ڈگریاں حاصل کیں اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔

یونس صاحب کو فارسی زبان سے خاص دلچسپی ہے اور اہل زبان کی طرح فارسی میں گفتگو کرتے ہیں۔ آپ یاسین میو ڈگری کالج نوح میں قیام کالج کے زمانے سے لکچرار ہیں۔ آپ کو میوات کی ممتاز شخصیتوں۔ مثلاً چودھری طیب حسین، چودھری خورشید احمد، چودھری عظمت خاں، چودھری سردار خاں کا شرف استادی حاصل ہے۔ ذوقِ شاعری آپ کو ورثے میں ملی ہے۔ انکی پسندیدہ صنفِ سخن غزل ہے۔ زبان و بیان پر عبور لائقِ تحسین ہے۔ اشعار میں تجربات و مشاہدات کا اظہار خوبی سے کرتے ہیں۔ ان کا کلام ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

پتہ

شعبۂ اردو یاسین میو ڈگری کالج۔ نوح۔

محمد یونس خاں یونسؔ

تف عقل پر میں تیری مثالوں میں کھو گیا
بام عروج پر تھا زوالوں میں کھو گیا

مری شب سیہ کا ہو احساس کیوں اسے
جو شام ہی سے زہرہ جمالوں میں کھو گیا

اے ظلمتوں! سزا تو مجھے دیجیو، مگر
ڈھونڈو مجھے کہ میں تو اجالوں میں کھو گیا

ڈھونڈیں خدا کو پھر سے ذرا شیخ و برہمن
وہ ان سے مسجدوں میں شوالوں میں کھو گیا

آنکھیں دکھا کے تو نے نکالا جو شہر سے
میں جنگلوں میں جا کے غزالوں میں کھو گیا

یونسؔ تری غزل پہ دھنے گا ضرور سر
ہر نکتہ رس جو تیرے کمالوں میں کھو گیا
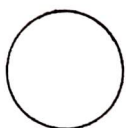
زخم دل ہے اور ہر مرہم غلط
ہو تو ہو کیوں کر ہمارا غم غلط

عارضی ہے جب نظام گلستاں
خندۂ گل، گریۂ شبنم غلط

طائر دل مائل پرواز ہے
ہو گئے زلفوں کے پیچ و خم غلط

قابل صد شکر ہیں سو خوبیاں
اک ادا پر شکوۂ پیہم غلط

ممنون اک تیرے غم کا بہت ہوں
کر دیئے ہیں جس نے سارے غم غلط

پہلے یونس ہی نہ ہوں غرقاب سیل
قصدِ طوفاں، دیدۂ پُر نم غلط

○

ہر طرف برقِ تپاں کی بات ہے
باغ میں اک آشیاں کی بات ہے

ہے فنا کا حکمِ ناطق اک طرف
اک طرف نام و نشاں کی بات ہے

توڑ تو دوں جام و پیمانہ مگر
صحبتِ پیرِ مغاں کی بات ہے

کھیل ہے تجھکو تبسم زیرِ لب
میری خاطر امتحاں کی بات ہے

ہے یہیں، پھر بھی کہیں ملتا نہیں
واہ کیا ان کے مکاں کی بات ہے

اس سراپا ناز سے ہمکو نواز
خاک سے در اور آسماں کی بات ہے

ہم کہاں یونس بھلا وہ در کہاں
اک نگاہ مہرباں کی بات ہے

○

کیا ہمیں بھیجا گیا ہے یہ اچنبھا دیکھنے
جی کے مرنا دیکھنے مر مر کے جینا دیکھنے

میرے باہر کا گلستاں دیکھنے آتے ہیں سب
کون آتا ہے مرے اندر کا صحرا دیکھنے

سیر کے قابل ہیں تیری پرکشش آنکھوں کی جھیل
کون آتا ہے مری آنکھوں کے دریا دیکھنے

باغ میں شبنم ہی میرے حال پر روتی رہی
پھول تو آتے ہیں ہنس ہنس کر تماشا دیکھنے

زندگی میں حادثوں سے ہے کہاں یونس مفر
تیر یہ آتے ہیں پتھر کا کلیجہ دیکھنے

باب دوم

به اعتبار حروف تہجی

۴۴ برس سے ۵۴ برس کی عمر تک کے شعراء

کہکشاں

رادھاکرشن آزاد

جناب رادھاکرشن آزاد کی پیدائش ۱۶ ؍اکتوبر ۱۹۳۸ء کو کوٹ ادّو ضلع مظفر گڑھ (پاکستان)
میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہندوستان آئے۔ اور سونی پت میں آباد ہو گئے۔ آزاد صاحب نے بی۔ اے۔
اور ادیب فاضل کی ڈگریاں حاصل کیں اور ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔

شاعری کا شوق دورانِ تعلیم پیدا ہوا۔ ابتدا میں آپ نے جے رام داس فلک سے اصلاح
لی۔ مگر اب آتش بہاولپوری سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں اخلاقیات، روحانیات
اور تصوّف کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ ذاتی احساسات کا اظہار سلیقے سے کرنے کا فن جانتے ہیں۔ سلیس
و سادہ زبان اور آسان طرز بیان ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ آزاد صاحب زیادہ تر غزل ہی میں
طبع آزمائی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی قطعات بھی کہہ لیتے ہیں۔

آزاد صاحب سونی پت کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصّہ لیتے رہتے ہیں۔ انجمن ترقی
اُردو (ہند) کی ہریانہ شاخ کے رکن اور ضلع سونی پت شاخ کے جنرل سکریٹری ہیں۔

پتہ

۱۶۴۳ ؍سیکٹر ۱۴ ہاؤسنگ بورڈ، کالونی۔ سونی پت

غزلیں

ہند میں پیدا ہوئے ہیں ایسے اکثر آدمی
"آدمی بن جائے جن کے پیچھے چل کر آدمی"

حسنِ کردار و عمل سے اس کو ملتا ہے سکوں
عزم و ہمت سے بناتا ہے مقدر آدمی

میری چشمِ جستجو ٹھہرے کسی پر کس طرح
دہر میں تو ایک سے ہے ایک بڑھ کر آدمی

اسقدر دلمیں سمایا ہے تصوّر آپ کا
آپ کی صورت نظر آیا ہمیں ہر آدمی

خود ہی اس نے اپنے دل کا کھو دیا سارا سکوں
اب سکوں کو ڈھونڈتا پھرتا ہے در در آدمی

غرورِ حسن میں تم عشق کے گداز میں تم
دکھائی دیتے ہو محمود میں ایاز میں تم

نہ یاد رہ سکے آدابِ بندگی مجھکو
خیال بن کے جو ابھرے مری نماز میں تم

ابھی ہو عظمتِ انسانیت سے بے بہرہ
بھٹک رہے ہو ابھی حدِّ امتیاز میں تم

نہاں بھی ہم سے رہے ہو رموزِ حق کی طرح
نظر بھی آئے ہو اکثر ہمیں مجاز میں تم

کچھ ایسے روزِ ازل سے بہم ہیں وابستہ
تمہارے ناز میں ہوں میں مرے نیاز میں تم

○

لکھنے والے تجھ پہ یہ لازم ہے سچی بات لکھ
دن کو دن تحریر کر اور رات کو بھی رات لکھ

آرزو ہے زندہ رہنے کی کتابوں میں اگر
جو بلند افکار کی حامل ہو ایسی بات لکھ

مصلحت کوشی کسی صورت تجھے زیبا نہیں
بے خطر ہو کر تو اپنے دل کے احساسات لکھ

جاگ اٹھے جن سے ہر اک دل میں جذبہ پیار کا
ایسے افسانے بیاں کر ایسے کچھ نغمات لکھ

جو پسند خاطر دنیا نہ اے آزادؔ ہو
کہہ نہ کچھ ایسا زباں سے اور نہ ایسی بات لکھ

داستانِ دردو غم ہے میری رُودادِ حیات
اور میری شاعری قلب و نظر کی واردات

پہلی خواہش آدمی کی ہے نہ موت آئے اسے
آخری خواہش ہے اسکی زیست سے پائے نجات

فرض کی تکمیل میں سرگرم رہتا ہوں مدام
میری نظروں میں یہی ہے وجہہ تمکین حیات

زندگی کیا ہے ہماری جان کی دشمن ہے یہ
ہر قدم پر پیش آتی ہیں ہزاروں مشکلات

زندگی سے لاکھ ہوں بیزار اے آزادؔ ہم
موت سے پہلے تو مل سکتی نہیں اس سے نجات

وید پرکاش اخترؔ

وید پرکاش اختر ۲۸ دسمبر ۱۹۳۳ء کو برنالہ ضلع سنگرور (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم میٹرک تک ہوئی۔ اور بعد میں میڈیکل ریڈیوگرافی کا ڈپلوما کیا اور ملازمت سے وابستہ ہو گئے۔ آج کل آپ میڈیکل کالج روہتک کے ایکس رے سیکشن میں ریڈیوگرافر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ اختر صاحب کو شاعری کا شوق طالب علمی کے دوران پیدا ہوا۔ آپ شاعری کے سلسلے میں باقاعدہ طور پر کسی استاد کے شاگرد نہیں ہیں۔ دوستوں سے مشورہ اور مشق سخن کے بل پر ہی آپ نے ترقی کے مدارج طے کئے ہیں۔ اختر صاحب غزل اور نظم دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ لیکن غزل کے لئے ان کا مزاج زیادہ موزوں ہے۔ مقامی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

پتہ

نزد اوم سوپ فیکٹری۔ جینوٹ کالونی (روہتک)

ہریانہ

غزلیں

اس دل کا مقدر ہی رہی شب کی سیاہی
کیا کیا نہ امیدیں تھیں ہمیں نورِ سحر سے

ہوتے رہے دل بستگیِ زیست کا ساماں
پیغام سے ملتے رہے کچھ ان کی نظر سے

روزن تو سبھی بند ہیں اس حجرۂ دل کے
پھر جھونکے تری یاد کے آتے ہیں کدھر سے

تم کو نہیں معلوم مگر کہتی ہے دنیا
توقیر بڑھی ہے تیرے در کی مرے سر سے

ملتے رہے غیروں کو اثر جامِ مئے ناب
ہم تھے کہ تری بزم میں اک بوند کو ترسے
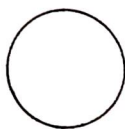
آئینہ ذات سے اپنی ہی ملاتا ہے مجھے
عکس میرا ہی مگر ہے کہ ڈراتا ہے مجھے

کوئی سنتا نہیں روداد دلِ محزوں کی
جو بھی ملتا ہے وہ اپنی ہی سناتا ہے مجھے

یہ عجب عالمِ مستی جو نہیں تو کیا ہے
اجنبی شخص بھی اپنا نظر آتا ہے مجھے

غرقِ گردابِ بلا میں تو ہوں اک مدّت سے
تو کیا اس شورشِ طوفاں سے ڈراتا ہے مجھے

راہِ دشوار سے جی بیٹھ گیا ہے ورنہ
شوقِ منزل تو نئی راہ دکھاتا ہے مجھے

اک وہ لمحہ جو کبھی حاصلِ ہستی تھا آخر
یاد آتا ہے تو رہ رہ کے رلاتا ہے مجھے

خود کو وقفِ ساغر و مینا کیا
یوں علاجِ گردشِ دنیا کیا

پرسشِ احوال پر ہم رو دیئے
یوں بھی ہم نے رازِ دل افشا کیا

صبح دم بادِ صبا کچھ کہہ گئی
دیر تک میں سوئے در دیکھا کیا

آج تک نادم ہوں عرضِ شوق پر
اک ذرا سی بات نے رسوا کیا

دل کے ویرانے میں تیری یاد کا
رات بھر بادل سا اک برسا کیا

ایک قطرہ تھا غمِ الفت جسے
شدتِ احساس نے دریا کیا

رہزنی شیوہ تھا جس کا اے اثرؔ
میں اسی کو رہنما سمجھا کیا
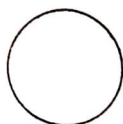
تلخئ حسرت و حرماں کبھی ایسی تو نہ تھی
زندگی اپنی پریشاں کبھی ایسی تو نہ تھی

ربط باہم ہی نہیں شیشہ و پیمانہ میں
منتشر محفل رنداں کبھی ایسی نہ تھی

شکوۂ تنگیٔ داماں کبھی ایسا تو نہ تھا
شورش فصل بہاراں کبھی ایسی نہ تھی

اب تو آتا ہی نہیں دل کو کسی لمحہ قرار
تھی مگر گردش دوراں کبھی ایسی تو نہ تھی

کون آیا ہے گلستاں میں آخر رشک بہار
گل فشاں صبح بہاراں کبھی ایسی تو نہ تھی

گوردیال دت اخگر پانی پتی

جناب گوردیال دت اخگر کی پیدائش ۱۹۳۳ء کو بدو کی گوسائیاں مغربی پنجاب (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیمِ ملک کے بعد اخگر صاحب نے مستقل سکونت پانی پت میں اختیار کی۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ اخگر صاحب کو شاعری کا شوق پانی پت کے شگفتہ ادبی ماحول نے عطا کیا۔ آپ کی پسندیدہ صنفِ سخن غزل ہے۔ اصلاحِ سخن کے لئے آپ نے پہلے ڈاکٹر دولت رام صابر سے رابطہ قائم کیا۔ ان کے انتقال کے بعد نسیم نور محلی (مرحوم) کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہو گئے

آپ کے کلام میں سلاست ہے۔ اخگر صاحب ہندی کے مانوس الفاظ کا استعمال چابکدستی سے کرتے ہیں۔ آپ کا کلام مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ مشاعروں اور سیمیناروں میں اکثر شرکت فرماتے رہتے ہیں۔ اخگر صاحب اُردو کے فروغ میں کوشاں رہتے ہیں نئی اور شگفتہ ردیفیں تلاش کرتے ہیں۔

مستقل پتہ

۵۳۱/۴ - پانی پت

اخگرؔ پانی پتی

غزلیں

گھیر لے جب کوئی الجھن تو مجھے خط لکھنا
تیری آنکھیں بنیں ساون تو مجھے خط لکھنا

سختیٔ وقت کی دیوار سے ٹکرا کے کبھی
ٹوٹ جائے تیرا درپن تو مجھے خط لکھنا

سوچ کے گھیروں سے جب تجھ کو رہائی نہ ملے
اور بکھرا سا لگے تن تو مجھے خط لکھنا

صبح کی پہلی کرن جب تیرے آنگن اترے
دل کے دروازے ہوں روشن تو مجھے خط لکھنا

خارزاروں کی کٹھن راہوں پہ چلتے چلتے
تجھ کو مل جائے مدھوبن تو مجھے خط لکھنا

دشتِ تنہائی میں گھبرا کے اچانک جس دم
تیرے دل کی بڑھے دھڑکن تو مجھے خط لکھنا

اک نئے فکر کی پہچان ہے اخگرؔ کی غزل
تجھ کو مرغوب ہو یہ فن تو مجھے خط لکھنا

حسن سلوک نے بھی کچھ حوصلہ بڑھایا
کچھ گفتگو کے پہلو خاموشیوں سے نکلے

ان کے عروج کی تو شاہد یہ پستیاں ہیں
ان کے محل کے رستے ان جھونپڑوں سے نکلے

پابندیاں ہیں عاید کیوں اس کے بولنے پر
شاید کوئی دعا ہی اس کے لبوں سے نکلے

ان راستوں پہ اب تک میلے لگے ہوئے ہیں
دیوانے بے خودی میں جن راستوں سے نکلے

دم گھٹ رہا ہے شاید خود ساختہ فضا میں
ہر شخص چاہتا ہے آبادیوں سے نکلے

اپنی تو زندگی کا اخگرؔ یہ تجربہ ہے
حل مشکلوں کے نکلے تو حوصلوں سے نکلے

○

حادثہ یہ بھی مرے دل پر گراں گزرا بہت
بھیڑ میں اک شخص کو دیکھا کہ ہے تنہا بہت

ہیں طبیعت کا قلندر، ہیں طبیعت کا غنی
میرے دامن میں ہے یار و غم کا سرمایہ بہت

سخت حیراں ہوں تیری نظروں میں وہ مشکوک ہے
جس نے اپنے دشمنوں کا بھی بھلا چاہا بہت

شام کے سائے بڑھے تو ہو گیا مجھ سے جدا
ہم سفر سایا بھی میرا۔ بے وفا نکلا بہت

اک معمہ ہے یہ دنیا ہیں اسے سمجھا نہیں
مدتوں ہیں نے اسے جانچا بہت پرکھا بہت

کچھ حوادث بھی تو سدِ راہ ہو کر رہ گئے
محفلِ دنیا سے یوں تو بچ کے ہیں نکلا بہت

ان بیابانوں ہیں اور اس چلچلاتی دھوپ ہیں
مجھ کو اخگرؔ ایک سوکھے پیڑ کا سایا بہت

○
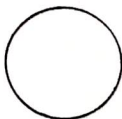
تیرگی میں بھی اجالوں کا سفر جاری رہا
یعنی تابندہ خیالوں کا سفر جاری رہا

کچھ شبیہیں مٹ کے بنتی بن کے مٹ جاتی ہیں کیوں
ذہن میں ایسے سوالوں کا سفر جاری رہا

ہم تھکن سے چور تھے کروٹ بدل کے سو گئے
ذہن میں لیکن خیالوں کا سفر جاری رہا

وقت کے ہر دور سے لیتے رہے ہیں جو خراج
ایسے بھی کچھ باکمالوں کا سفر جاری رہا

نیکیوں کے راستے محدود تھے مسدود تھے
پھر بھی اخگرؔ خوش خصالوں کا سفر جاری رہا

○

قمقموں کی بستی میں ہر طرف اندھیرا ہے
یہ طلسم ہے کوئی۔ یا نظر کا دھوکا ہے

یہ نظام عالم بھی۔ کیا عجب معمّہ ہے
ذرہ ذرہ صحرا ہے قطرہ قطرہ دریا ہے

روح تک لرزتی ہے جس کی یاد آتے ہی
حادثہ اک ایسا بھی زندگی میں گزرا ہے

زندگی کے میلے بھی کیا غضب کے میلے ہیں
کل بھی دل اکیلا تھا آج بھی اکیلا ہے

آپ کے نگر میں تو ناشناس راہوں پر
جو بھی شخص ملتا ہے۔ آشنا سا لگتا ہے

مول بڑھ گیا اخگر۔ دہر میں ہر اک شئے کا
آدمی کو کیا کہئے۔ آدمی تو سستا ہے

بل بیر چند ارشدؔ جلال آبادی

بل بیر چند ارشدؔ جلال آبادی، ۲۹ر جون ۱۹۳۶ء کو سانہ وال ضلع لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن جلال آباد ضلع امرتسر ہے جس کی رعایت سے آپ جلال آبادی لکھتے ہیں۔ آپ نے ایف۔اے۔ اور ادیب فاضل کی اسناد کیں۔ اور ملازمت سے وابستہ ہوگئے۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم پیدا ہوا۔ بچپن بلوچستان میں گذرا تقسیم ملک کے بعد آپ ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور انبالہ (ہریانہ) میں مستقل طور پر آباد ہوگئے۔

ارشدؔ صاحب نے تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ زندگی کے احساسات و مشاہدات کے شاعر ہیں۔ معنی آفرینی اور شوکت الفاظ آپ کے کلام کی خوبیاں ہیں۔ ارشدؔ صاحب کے دو مجموعۂ کلام شائع ہو چکے ہیں "آئینہ و عکس" اور "رزم و عزم" آپ ڈاکٹر دار علامی انبالوی کے شاگرد رشید ہیں۔

آپ نے چند فلمی گیت بھی لکھے ہیں۔ اور اردو کے فروغ میں کوشاں رہتے ہیں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۶ء تک آپ نے باقاعدہ ایس ڈی کالج چھاؤنی کے ادیب، فاضل کے طلبہ کو بغیر معاوضہ پڑھایا ہے۔ آپ ضلع انبالہ کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہتے ہیں۔

پتہ۔

۲۲۲ر ایل ماڈل ٹاؤن۔ یمنا نگر ضلع انبالہ۔ (ہریانہ)

ارشد جلال آبادی

غزلیں

بہارِ خونِ جگر ہے وفا کی راہوں میں
نہ لعل ہے نہ گہر ہے وفا کی راہوں میں

جوان جسم۔ جواں قہقہے۔ جواں جذبات
یہ سب فریب نظر ہے وفا کی راہوں میں

وہ اپنی آگ میں خود ہی جھلس گیا ہوگا
نہ شعلہ ہے نہ شرر ہے وفا کی راہوں میں

تمام شہر میں چرچا ہے جس کی الفت کا
وہ آج شہر بدر ہے وفا کی راہوں میں

نہ آرزو نہ تمنّا نہ جستجو نہ طلب
یہ کس طرح کا سفر ہے وفا کی راہوں میں

خلوص اشک فشاں عاشقی ہے نالہ کُناں
حیات خاک بسر ہے وفا کی راہوں میں

ہر ایک گام پہ مہکے ہوئے گلستاں ہیں
یہ کس کا خونِ جگر ہے وفا کی راہوں میں

غزل کے ساز پہ ارشد بنام اہل جنوں
میری متاعِ ہنر ہے وفا کی راہوں میں
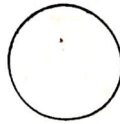
سناؤں کسے داستان محبّت
نہیں ہے کوئی قدردان محبّت

نہ میں کہہ سکوں گا نہ تم سن سکوگے
بہت پر الم ہے بیان محبّت

ہوئی ہے وہ توہین مہر و وفا کی
کہ رخصت ہوا کاروان محبّت

جنونِ محبّت کے آگے یقیناً
عجب چیز ہے داستان محبّت

وہ ارشد تمہیں یاد آتا تو ہوگا
وہی شاعر خوش بیان محبّت

○

زیست کی ہنسی اڑاتے ہیں
موت آئے تو مسکراتے ہیں

بھول جاتے ہیں جو تیری عظمت
اپنی اوقات بھول جاتے ہیں

میری بدبختیاں ہیں میرے لئے
آپ کیوں اشک غم بہاتے ہیں

اس طرح رو کے نہ اپنی ہنسی
دیکھئے پھول کسمساتے ہیں

آستانِ جنوں پر اے ناداں
صاحب ہوش سر جھکاتے ہیں

غمِ ہستی سے تیرے دیوانے
دیکھئے کب نجات پاتے ہیں

خود سے بیگانہ ہو کے ہم ارشد
لذتِ بے خودی اٹھاتے ہیں

یہ کس نے میرے رُباب جنوں کو چھیڑا ہے
دھڑکتے دل کو محبت کی راگنی دے کر

کسی کی یاد ہے اب سازِ دل پہ نغمہ سرا
چلا گیا ہے کوئی مجھ کو خامشی دے کر

خیال و فکر کے گیسو سنوار لیتا ہوں
غمِ حیات تجھے شغلِ مے کشی دے کر

سنا رہا ہے کوئی وارداتِ دل ارشدؔ
بیانِ عشق کو اندازِ شاعری دے کر

سید اشتیاق حیدر انجمؔ زیدی

سید اشتیاق حیدر زیدی المتخلص انجمؔ زیدی نے ۴ر اگست ۱۹۳۶ء کو محمود آباد گوہنہ (ضلع اعظم گڈھ) کے ایک سید گھرانے میں آنکھیں کھولی۔ انجمؔ زیدی ممتاز شاعر حضرت شمیمؔ کرہانی اور ممتاز نقاد علی جواد زیدی صاحب کے بھانجے ہیں۔ خاندان کے علمی و ادبی ماحول کے باعث شاعری کا شوق ان کی فطرت ثانیہ بن گیا۔ آپ نے علامہ جرمؔ محمود آبادی سے شرف تلمذ حاصل کیا لیکن لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے بعد یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ بی ایس سی کی سند حاصل کر کے ۱۹۶۶ء میں آپ تلاش معاش میں فرید آباد (ہریانہ) آگئے۔ اب گذشتہ ۲۲ برس سے گڈایر انڈیا کے شعبۂ حسابات سے وابستہ ہیں۔ اب آپ کا شمار بھی ہریانہ کے نمائندہ شعرا میں ہوتا ہے۔ ملک کے مختلف مشاعروں اور منقبتی محفلوں میں ان کا کلام احترام سے سُنا جاتا ہے۔ آپ فرید آباد کی ادبی تنظیم "ادبی سنگم" کے سرگرم رکن ہیں اور اس کے جنرل سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔ جملہ اصناف سخن میں آپ طبع آزمائی کرتے ہیں لیکن نوحہ گوئی اور رثائی ادب میں آپ کی نمایاں انفرادیت ہے۔ آپ کے نوحوں کا مجموعہ "لہو کے پھول" کے نام سے حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے اور ادبی حلقوں میں اس کی مناسب پذیرائی ہوئی ہے۔

انجمؔ زیدی کے اشعار میں حسنِ معنی اور کلاسکی روایت سے وابستگی کے ساتھ عصرِ حاضر کی آگہی بھی ملتی ہے۔ آپ کے کلام میں بیان کی لطافت اور اظہار کا بانکپن ہے۔ زبان شستہ اور تخیل میں ندرت ہے۔

پتہ

اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ گڈایر انڈیا لمیٹڈ۔ بلب گڈھ ۔ فرید آباد۔

غزل

اس جنوں کے دور میں ڈھونڈیں سکونِ دل کہاں
ہر طرف طوفان ہی طوفان ہیں ساحل کہاں

غمزدہ چہرہ پہ چہرہ رکھ کے غم کو بانٹ لیں
اتنی چھوٹی سی خوشی بھی ہے ہمیں حاصل کہاں

صحن کی دیوار اس نے کر لی اونچی اور بھی
میرا ہمسایہ ہے میرے درد میں شامل کہاں

اپنے ہی دل کو ٹٹولو وہ یہیں روپوش ہے
پوچھتے پھرتے ہو کیا سب سے کہ ہے قاتل کہاں

آئے ہے اس راہرو کے حال پہ رونا مجھے
میل کے پتھر سے جو پوچھے کہ ہے منزل کہاں

کاروانِ زندگی انجمؔ اسی الجھن میں ہے
ختم ہوگا کب سفر ہاتھ آئے گی منزل کہاں

غزل

ہر لبِ زخم تبسم سے سجا رکھا ہے
یہ سلیقہ یہ مرے دل کا ہنر تو دیکھو

دست و پا شل ہیں مگر جانبِ منزل ہوں رواں
میں تھکا ہارا سہی عزمِ سفر تو دیکھو

عمر بھر دل سے نکلنے کو ترستی ہی رہیں
کیسا ڈھونڈھا تھا تمناؤں نے گھر تو دیکھو

سچ ہے ہیں ہار گیا غم کی سیہ راتوں سے
پھر بھی آنکھوں میں مری رقصِ سحر تو دیکھو

خواب غفلت سے اٹھو آنکھیں تو ملو اے انجم
جگمگاتا ہے چمن رنگِ سحر تو دیکھو

ساری دنیا سے ہے اک درد کا رشتہ میرا
ہر جگہ پاؤ گے تم نقشِ کفِ پا میرا

ایک اک بوند کو ترسا ہوں زمانے والو
یوں تو کہنے کو تھا ہر عیش کا دریا میرا

اب نہ ہمت ہے وفا کی نہ سلیقہ مجھ میں
اب تو یاروں سے کہو چھوڑ دیں پیچھا میرا

عشق کی کون سی منزل ہے یہ بتلائے کوئی
جسم اس کا ہے مگر پڑتا ہے سایہ میرا

دل کے ہر زخم کو پھولوں سے بدل دیتا ہے
جب کبھی ملتا ہے وہ ظالم وہ مسیحا میرا

کر کے بھی ترکِ تعلق ہے تعلق کچھ تو
ورنہ کیوں غیر سے سنتا ہے وہ قصہ میرا

نوحہ

سر کٹانے کو جا رہے ہیں حسینؑ — جادۂ حق دکھا رہے ہیں حسینؑ

پھیلتا جا رہا ہے نورِ یقین — شمعِ ایماں جلا رہے ہیں حسینؑ

نصرتِ حق میں کٹ رہا گلا — موت پر فتح پا رہے ہیں حسینؑ

زیرِ خنجر کبھی مانگ کر پانی — پیاس اپنی بتا رہے ہیں حسینؑ

مسکرا کر ہر اک مصیبت میں — رتبہ غم بڑھا رہے ہیں حسینؑ

کربلا اپنے گلعذاروں سے — تیرا دامن سجا رہے ہیں حسینؑ

مٹ رہی ہیں حدیں خیالوں کی — ساری دنیا پہ چھا رہے ہیں حسینؑ

ناتوانی ذرا سہارا دے — لاشِ اکبر اٹھا رہے ہیں حسینؑ

ایک نظر مجھ پہ ڈال کر انجم — میری قسمت بنا رہے ہیں حسینؑ

ستیہ پال اشکؔ

ستیہ پال اشکؔ یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء کو شری دیوی دیال کے یہاں سرائے سدھو ضلع ملتان (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بی۔ ایس۔ سی۔ اور بی۔ ٹی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ شعر گوئی کا شوق زمانۂ طالب علمی سے ہی تھا۔ آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔ آپ کے کلام میں روایت کی پاس داری کے ساتھ ساتھ ادب کی نئی قدروں کا تاثر بھی جھلکتا ہے۔ اکثر اشعار میں اخلاقیات کا درس طنز کی صورت میں نمایاں ہے۔ اشکؔ صاحب حضرت رئیس نیازی کے شاگرد ہیں۔ اشکؔ صاحب اُردو کے شیدائی اور پرستاروں میں سے ہیں۔ آپ کی غزلوں کا مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ سونی پت کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ ادبی سنگم رجسٹرڈ، سونی پت کے خازن ہیں۔ آج کل آپ ہریانہ سرکار میں گزیٹڈ پوسٹ پر فائز ہیں۔

پتہ

۶۵۴۔ محلہ کلاں سونی پت

اشکؔ سونی پتی

غزلیں

اب اے خیالِ یار جہاں چاہے لیکے چل
اب ہم نے پاؤں رکھ لئے باہر مکان سے

جو آج اپنی زیست سے بھی بدگماں سا ہے
کل اس کو کتنا پیار تھا سارے جہان سے

وحشت کی دال کیا گلے اہلِ خرد کے ساتھ
وحشت جنوں کے ساتھ ہی رہتی ہے شان سے

اسرارِ ہست و نیست کو ہم نے سمجھ لیا
اک سانس ہے نکال دو بس درمیان سے

پابندیاں ہیں عشق میں کیا ہم سے پوچھیئے
ان کے حضور کہہ نہ سکے کچھ زبان سے
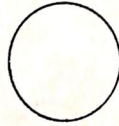
شور اب کوئی نہ اپنی ہاو ہو سے کیجیے
فیصلہ رنجش کا باہم گفتگو سے کیجیے

ایک اک قطرہ لہو کا ہے امانت قوم کی
کیوں یونہی کھلواڑ اب اپنے لہو سے کیجیے

ہو بھی سکتی ہے اسے کوئی غلط فہمی حضور
آپ پہلے بات تو جا کر عدو سے کیجیے

تو خطابت کے لئے موزوں نہیں اخلاق میں
خیر مقدم اب کسی کا بھی نہ 'تو' سے کیجیے

روح پاکیزہ کو پاکیزہ ہی رکھنا فرض ہے
کیوں ملوث اس جہانِ رنگ و بو سے کیجیے

پینے والوں کو شعورِ میکشی لازم ہے اشک
کیوں کوئی شکوہ مغانِ حیلہ جو سے کیجیے

○

اچھی باتوں سے تو کچھ حاصل کہیں ہوتا نہیں
صاف گوئی پر مری اس کو یقیں ہوتا نہیں

جاؤ دل کی دھڑکنوں اس کو منالاؤ تمہیں
میرے کہنے سے تو وہ دل میں مکیں ہوتا نہیں

ڈوب کر دریائے الفت سے بھلا ابھرا ہے کون
واقعہ معجز نما ایسا کہیں ہوتا نہیں

عشق کا ہے یہ تقاضہ کیجیئے ہر اک سے پیار
عشق میں کچھ امتیاز کفر و دیں ہوتا نہیں

چن لیا ہے بس تجھی کو دلبری کے واسطے
دل لگانے کے لئے ہر مہ جبیں ہوتا نہیں

جب روا رکھتی ہے دنیا دوستوں پر ظلم و جور
اشک سے بڑھ کر کوئی اندوہ گیں ہوتا نہیں

○

حقیقت سامنے جب آئی پتھر کے مکانوں کی
تو خواہش ہی نہیں باقی رہی آئینہ خانوں کی

بسیرے کے لئے کافی پہاڑوں کی چٹانیں ہیں
فلک پیماؤں کو حاجت نہیں ہے آشیانوں کی

مری آنکھوں میں جچتا ہی نہیں دنیا کی کرّوفر
ہو تیری خاکِ پا حاصل تو کیا وقعت خزانوں کی

زمیں پر بسنے والوں کی حقیقت کیا چھپے ہم سے
خبر لاتے ہیں ہم اک پل میں ساتوں آسمانوں کی

ہر اک تخلیق میں خالق کا خونِ دل جھلکتا ہے
کہاں سے لایئے نظریں ہنر کے قدر دانوں کی

ستیہ پرکاش شرما تفتہ

پورا نام ستیہ پرکاش شرما، تخلص تفتہ، ۳۰ر جنوری ۱۹۳۴ء کو قصبہ رادور ضلع کوروکشیتر (ہریانہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم۔ ایس۔ سی۔ آنرز، اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ان دنوں آپ کوروکشیتر یونیورسٹی میں شعبہ زوآلوجی میں پروفیسر ہیں۔

تفتہ صاحب کو اُردو زبان سے رغبت ایّام طفولیت سے ہے۔ آپ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ "فن زندگی کا عکّاس بھی ہے نقّاد بھی اور رہنما بھی"۔ آپ کی شاعری کرب ذات خود آگاہی اور خودشناسی کی جستجو کے ساتھ ساتھ خداشناسی کے فکری اور تجرباتی رجحانات کی آئینہ دار ہے۔ فکر و خیال میں وسعت اور انتخاب کلام میں شستگی ہے۔ آپ جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ لیکن غزل آپ کی محبوب صنف سخن ہے۔ تفتہ صاحب حضرت زار علّامی کے شاگرد رشید ہیں۔ میر، غالب، مصحفی، ذوق، انیس، دبیر، داغ، جوش ملیح آبادی وغیرہ شعرائے کرام کے کلام سے آپ بہت متاثر ہیں۔

اُردو کے علاوہ تفتہ صاحب نے ہندی، سنسکرت، انگریزی ادب کا بھی خاص مطالعہ کیا ہے۔

تفتہ صاحب کا کلام ملک کے بیشتر رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

پتہ۔

ای۔ ۳۷ یونیورسٹی کیمپس۔ کوروکشیتر ہریانہ۔

ستیہ پرکاش تفتہ

غزلیں

بے گانۂ خودی ہے تو ہرگز انا نہ مانگ
خائف ہے انتہا سے اگر ابتدا نہ مانگ

رسمِ گداگری کا بھی اپنا مقام ہے
توہین ہو طلب کی تو ہرگز دعا نہ مانگ

بہتر یہی ہے نیکیاں دریا میں ڈال دے
اعمالِ نیک و خیر کی ہرگز جزا نہ مانگ

بڑھ کر ہے کون تجھ سے بھلا کائنات میں؟
لازم ہے مانگنا ہی تو اپنے ہوا نہ مانگ

کچھ اور بات ہے شجرِ سایہ دار کی
بے برگ و بار نخل سے ٹھنڈی ہوا نہ مانگ

دنیائے بے ثبات کسی کی نہ ہو سکی
اس بیسوا سے بھول کے مہر و وفا نہ مانگ

تفتہؔ! تری خودی کی اسی میں ہے آبرو
دستِ طلب بڑھا کے کبھی بھی دعا نہ مانگ
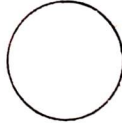
بظاہر دل پہ کچھ لکھا نہیں ہے
مگر کاغذ تو یہ کورا نہیں ہے

خلوص و مہر جس سے ہوں نہ ظاہر
مکھوٹا ہے فقط چہرا نہیں ہے

سبھی رشتے ہیں اس کے دم قدم سے
ہمارا جس سے کچھ رشتا نہیں ہے

کرے سیراب جو کشتِ تمنا
وہ بادل آج تک برسا نہیں ہے

صلیب و دار کی باتوں سے حاصل
یہاں تو کوئی بھی عیسیٰ نہیں ہے

یہ مانا اک بڑی طاقت ہے پیسہ
سبھی کچھ تو مگر پیسا نہیں ہے

زمانے بھر کے غم ہیں ساتھ ہر دم
تیرا آشفتہ کبھی تنہا نہیں ہے

○

ازل سے عشق ہی بدنام کیوں ہے؟ ہم نہیں سمجھے
وفا ہی موردِ الزام کیوں ہے؟ ہم نہیں سمجھے

ہمارا دل تمہارے پیار کے جذبے سے خالی ہے
تمہیں ایسا خیالِ خام کیوں ہے؟ ہم نہیں سمجھے

جہاں میں اور بھی ہیں کامگارِ جذبۂ الفت
مگر ہر سو ہمارا نام کیوں ہے؟ ہم نہیں سمجھے

سرِ مے خانہ آکر بھی وہی کیفیتِ غم ہے
یہاں بھی گردشِ ایام کیوں ہے؟ ہم نہیں سمجھے

وہ لمحہ جب تخیّل میں غزل تخلیق ہوتی ہے
وہ لمحہ درد کا ہنگامہ کیوں ہے؟ ہم نہیں سمجھے

خدا کے نام سے کیوں جھرجھری آتی ہے انساں کو
گناہوں کو صلائے عام کیوں ہے؟ ہم نہیں سمجھے

جہاں میں پاسِ ایمان و عمل ہی آدمیت ہے
مگر یہ شئے برائے نام کیوں ہے؟ ہم نہیں سمجھے

پیالہ کیوں نہیں امرت کا آخر زندگی تفتہ
فقط سقراط کا ہی جام کیوں ہے؟ ہم نہیں سمجھے

ڈھونڈنے پر بھی نکہتیں نہ ملیں
ان لبوں کی صباحتیں نہ ملیں

وائے قسمت! کہ دورِ حاضر میں
اپنوں سے بھی محبتیں نہ ملیں

جب سے ان کا کرم، کرم نہ رہا
کسی کی بھی عنایتیں نہ ملیں

خواہشوں کے نگار خانے میں
"خواب دیکھے، حقیقتیں نہ ملیں"

جب سے خود میں سمٹ گیا ہوں میں
چشمِ باطن کی وسعتیں نہ ملیں

لاکھ ڈھونڈا مگر، کہیں تفتہ
دردِ دل کی وضاحتیں نہ ملیں

جانباز پانی پتی

جانباز پانی پتی ۱۵ ر اگست ۱۹۳۴ء کو پانی پت کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی آپ کو اردو کا علمی اور ادبی ماحول حاصل رہا ہے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے کرنال سے بی۔ اے کی سند حاصل کی۔ ابتدا سے ہی اُردو آپ کا اختیاری مضمون رہا۔ بی۔ اے کرنے کے بعد آپ نے دلّی کے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی۔ ایڈ کیا۔ اور پھر ۱۹۵۶ء سے دلّی میں بحیثیت مدرس مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ شکور بستی (دہلی) میں آپ نے اردو کی ادبی فضا استوار کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اور "بزم ادب" کی داغ بیل ڈالی۔ یہ بزم راجدھانی کی فعال ادبی انجمنوں میں سے ایک ہے۔ جس کے زیرِ اہتمام ماہنامہ ادبی نشستیں اور مشاعرے پابندی کے ساتھ منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ آپ اس کے جنرل سکریٹری ہیں۔

جانباز پانی پتی کا ایک شعری مجموعہ "تیغ عریاں" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان دنوں آپ اپنا دوسرا مجموعۂ کلام "حسنِ تصور" کے نام سے ترتیب دے رہے ہیں۔

جانباز پانی پتی نے یوں تو مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل آپ کی محبوب صنفِ سخن ہے۔ ان کے کلام میں روایت اور جدّت کا امتزاج ہے۔

پتہ

جنرل سکریٹری بزم ادب شکور بستی
نئی دہلی

جانباز پانی پتی

اک تم بھی ہو اک ہم بھی ہیں تصویر کے دونوں رخ دیکھو
خوشیاں ہیں اگر تو غم بھی ہیں تصویر کے دونوں رخ دیکھو

ایوان یہ اونچے اونچے سے، مظہر ہی سہی خوشحالی کے
مزدور کی آنکھیں نم بھی ہیں تصویر کے دونوں رخ دیکھو

شکوہ نہیں زیبا آپس میں، اس ترک تعلق کا باعث
کچھ تم بھی ہو کچھ ہم بھی ہیں تصویر کے دونوں رخ دیکھو

فرقت کی شب میں سو نہ سکا، لیکن یہ آپ کی آنکھیں بھی
کچھ بھاری کچھ پرنم بھی ہیں تصویر کے دونوں رخ دیکھو

منزل ہے ابھی دور مگر رہبر ہی کا اس میں دوش نہیں
کچھ راہ میں زیر و بم بھی ہیں تصویر کے دونوں رخ دیکھو

کچھ میں بھی ذمے دار سہی، تقدیر کے گیسوئے برہم کا
کچھ آپ کی زلف میں خم بھی ہیں تصویر کے دونوں رخ دیکھو

○

صاف کہتا ہوں بے شک برا مانیئے
آپ اپنی حقیقت بھی پہچانیئے

بات دل کی زباں پر تو آئی ہی تھی
مجھ کو بے شک خطاوار گردانیئے

حق کو پانے کی دل میں ہے خواہش اگر
خود کو پہچانیئے خود کو پہچانیئے

رونقِ باغِ ہستی بہت دیکھ لی
ریگ زارِ عدم کو بھی اب چھانیئے

ایک ہی صف میں ہیں رہزن و رہنما
غور سے دیکھیئے ان کو پہچانیئے

راس آئی نہیں عقل کی رہبری
حضرتِ دل کا اب تو کہا مانیئے

آپ رک کیوں گئے میں تو جانباز ہوں
خنجرِ خونچکاں برملا تانیئے

سب فنا ہوگا فقط نام خدا رہ جائے گا
اس جنون ارتقا میں اور کیا رہ جائے گا

تجھ سے بڑھ کر خوبصورت اس جہاں میں کون ہے
جو بھی دیکھے گا تجھے وہ دیکھتا رہ جائے گا

تیری حشمت تیری دولت یہ تیرا جاہ و جلال
موت جب آئے گی ناداں سب دھرا رہ جائے گا

رو برو تحلیل ہوگی اس کے ساری کائنات
آسماں کی سمت انساں دیکھتا رہ جائے گا

دہر میں جانباز کیا مل پائے گا ہم کو دوام
ریت پر لکھا ہوا اک نام کیا رہ جائے گا

مہندر پرتاپ چاند

جناب مہندر پرتاپ چاند یکم اگست ۱۹۳۵ء کو کروڑی لال عیسن ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے کوروکشیتر میں سکونت اختیار کی۔ ادیب فاضل اور ایم۔ اے۔ (اردو، لائبریری سائنس) کی اسناد حاصل کیں۔ اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ آجکل آپ کوروکشیتر یونیورسٹی میں ڈپٹی لائبریرین کے عہدے پر مامور ہیں۔ چاند صاحب کو شاعری کا شوق طالب علمی کے زمانے سے ہے رتب سے برابر زلفِ عروسِ فن کو سنوارنے میں انہماک سے لگے ہوئے ہیں۔ آپ حضرت قیس جالندھری کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہیں۔

چاند صاحب نظم اور نثر دونوں میں قلم کے جوہر دکھاتے ہیں۔ آپ جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں لیکن محبوب صنف سخن غزل ہے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

۱۹۷۴ء میں "حرفِ راز" (مجموعہ کلام)، ۱۹۸۲ء میں "زخم آرزوؤں کے" (مجموعۂ کلام) آپ کی مرتبہ نصابی کتاب (برائے ساتویں جماعت) ہریانہ کے اسکولوں میں پڑھائی جا رہی ہے۔ آپ نے لائبریری سائنس کے موضوع پر ایک کتاب انگریزی میں بھی لکھی۔ آپ ماہنامہ "محافظ" لدھیانہ کے سرپرست اور پندرہ روزہ "ہوشیار" کے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے ادبی رسائل و جرائد میں کلام اور نثری مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ "بزم سخن" کوروکشیتر یونیورسٹی کے گذشتہ پندرہ برس سے سکریٹری ہیں۔ آپ کے کلام میں داخلیت کا عنصر نمایاں ہے۔ احساس و اظہار میں ہم آہنگی قاری کو متاثر کرتی ہے۔

پتہ

ڈی۔ ۸۱، یونیورسٹی کیمپس کوروکشیتر۔ ہریانہ،

مہیندر پرتاپ چاند

ازل کے دن سے اسیرِ قفس رہا ہوں میں
کھلی ہواؤں کو اب تک ترس رہا ہوں میں

ستم تو یہ ہے کہ تو بھی مجھے سمجھ نہ سکا!
تمام عمر ترا ہم نفس رہا ہوں میں

یہ ماحصل ہے تمنائے شادکامی کا
ذرا ذرا سی خوشی کو ترس رہا ہوں میں

ہوس کی تند ہوائیں چلی ہیں جب سے ادھر
دل و نظر کی طنابوں کو کس رہا ہوں میں

یہ ناپسند ہے میرے سبھی رفیقوں کو
جو اہلِ دل کی نگاہوں میں بس رہا ہوں میں

کبھی جھکا نہ مرا سر بتوں کے قدموں پر
کہ بت کدوں کا ہمیشہ کلس رہا ہوں میں

تھا مہربان بہت یوں تو سب پہ وہ دریا
رہا ہوں تشنہ تو اے چاند! بس رہا ہوں میں
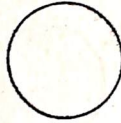
دھو گئی چہروں سے گردِ یاس کا غازہ، ہوا
کر گئی افسردہ روحوں کو تر و تازہ، ہوا

لاکھ بیٹھو چھپ کر، اپنے بند کمروں میں، مگر
توڑ کر آ جائے گی ایک ایک دروازہ، ہوا

صبح، آنچل کی، ہوا دے کر کھلاتی ہے جسے
شب کو بکھراتی ہے خود، اس گل کا شیرازہ، ہوا

ناپنے نکلی ہے شہرِ دل کی وسعت کو، مگر
کیا لگا پائے گی میرے غم کا اندازہ، ہوا

ہم تو اپنی خانہ ویرانی کا ماتم کر چکے
دیکھ جا کر اب تو کوئی اور دروازہ، ہوا

جی ترستا ہے پھر ان لمحوں کو جب یکجا تھے سب
رقصِ مے، بوئے سمن، رنگِ شفق، تازہ ہوا

وہ لطافت، وہ مہک، کیوں چاند! یکسر کھو گئی؟
بھر رہی ہے کن خطاؤں کا یہ خمیازہ، ہوا

○

شہر میں اب کے نظر آتے ہیں فرزانے بہت
عقل سے ہونے لگے لوگوں کے یارانے بہت

خود سری کی دھوپ سے چہرہ ترا سنولا گیا
زندگی! پھر بھی تیری صورت کے دیوانے بہت

میری اتنی سی خطا تھی، میں نے "سچ" کو سچ کہا
گھڑ لیے اس بات پر یاروں نے افسانے بہت

حسن ہے مغرور تو ہم بھی انا میں کم نہیں
دل سلامت ہے تو دنیا میں صنم خانے بہت

جن کو ٹھکرا کر چلا ہے تو گلوں کے شہر میں
یاد آئیں گے وہاں جا کر یہ ویرانے بہت

دوستی کی آڑ میں مطلب براری کے چلن
ہم رہے ہیں آج تک اس فن سے بیگانے بہت

تیرے ہونٹوں پر ہنسی ہے اور آنکھوں میں سرشک
کیا سنایا ہے تجھے اے چاند! دنیا نے بہت
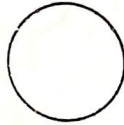
بچا نہ کچھ بھی نگاہوں کو، منتہا کے سوا
جھکا یہ سر نہ کہیں، ان کے نقشِ پا کے سوا

ہزار منتیں کیں، لاکھ ہاتھ پھیلائے
مگر نہ کچھ بھی مِلا، زخمِ التجا کے سوا

خلوص شرط ہے اوّل بھی اور آخر بھی
دیارِ عشق میں سب ہیچ ہے وفا کے سوا

لبوں پہ حرفِ وفا ہے، دلوں میں بیر مگر
کہوں میں کیا اسے، یاروں کی اک ادا کے سوا

عزیز کیوں نہ ہو اے چاند! مجھ کو یہ دولت؟
بچا ہی کیا ہے مرے پاس اب انا کے سوا
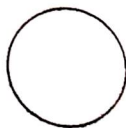
فاصلے دور اٹھا لائے ہیں یاروں سے مجھے
کوئی آواز لگاتا ہے کناروں سے مجھے

جی ترستا ہے پھر اس تیری توجہ کے لئے
جو الگ ہو کے ملا کرتی تھی ساروں سے مجھے

وہی نمناک سی آنکھیں وہی کھلتے ہوئے لب
پھر تری یاد بلاتی ہے اشاروں سے مجھے

عین ممکن ہے، کوئی تیز ہوا کا جھونکا
لے اڑے اور ملا دے میرے پیاروں سے مجھے

ہائے تنہائی کا احساس کہ جاتا ہی نہیں
ہاں سکوں ملتا ہے کچھ درد کے ماروں سے مجھے

کٹتی ہیں جب مری راتیں ہی انہیں گن گن کر
کیوں نہ پھر عشق ہوا ہے چاند؟ ستاروں سے مجھے

ڈاکٹر ستنام سنگھ خمار

ڈاکٹر ستنام سنگھ خمار کی پیدائش ۱۹۳۵ء کو چک سرجن ضلع ساہوال (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور پنجاب میں آباد ہو گئے۔ بعد ازاں ہریانہ میں منتقل ہوئے۔ آپ نے نفسیات (سائیکولوجی) میں ایم۔ اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اور اردو فارسی میں دہلی یونیورسٹی سے ڈپلوما بھی کیا۔ ابتدا میں آپ N C E R T میں ریسرچ آفیسر رہے اب گذشتہ بیس برس سے آپ دیش کالج بھوانی میں صدر شعبۂ نفسیات ہیں۔

خمار صاحب کو شاعری کا شوق طالب علمی کے زمانے سے ہے۔ آپ حضرت شمیم کرہانی کے شاگرد ہیں خمار صاحب جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ کے کلام میں سلاست اور ندرت پائی جاتی ہے۔ آپ کا شمار ملک کے معروف شعراء میں ہوتا ہے۔ خمار صاحب شعر گوئی کے علاوہ نثری مضامین بھی لکھتے ہیں۔ آپ کے دو مجموعے "لمحات کا بہتا دریا" (ہندی، اردو) اور "محسوس کرو مجھکو" شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ نفسیات کے موضوع پر آپ کی تین کتابیں چھپ چکی ہیں۔

خمار صاحب ہریانہ کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آپ جدید اردو کلب" بھوانی اور "بزم ادب" بھوانی کے صدر کے علاوہ مختلف اداروں سے وابستہ ہیں۔ آپ ملک کے مختلف مشاعروں میں احترام سے مدعو کئے جاتے ہیں۔

پتہ

صدر شعبۂ نفسیات، دیش کالج بھوانی

ست نام سنگھ خمار

غزلیں

ہوا کی قید سے آزاد ہو گئے بادل
جدھر کو آئی طبیعت نکل پڑے بادل

میں جب بھی گھر سے کرن کی تلاش میں نکلا
مری نگاہ کے تن سے لپٹ گئے بادل

کئی لکیریں ابھرتی ہیں ان کے چہرے پر
مرے خیال کی کھیتی ہیں یہ ہرے بادل

اٹھائے سر پہ سمندر ادھر سے جب گزرے
کسی کی آہ کے شعلوں میں جل گئے بادل

اگر ہے تجھ کو ضرورت تو آسماں لے جا
ہمارے درد کی آنکھوں سے مذ بھرے بادل

فضائے شعر و سخن پہ جو چھا گیا ساون
تصورات سے گزرے نئے نئے بادل

خمارؔ ان کو سلگتی زمیں سے کیا مطلب
سمندروں پہ جھکیں گے یہ سر پھرے بادل

○

مرے ذوقِ تجسس کے اجالو
مجھے پتھر کی دنیا سے نکالو

خلاؤں میں بکھرنا چاہتا ہوں
مجھے اے وسعتو اپنا بنالو

مجھے رہنے دو بن کر حرفِ نکہت
ابھی پھولوں کے سانچوں نہ ڈھالو

مرے ذوقِ سفر کی کہکشاں میں
چمک جاؤ میرے پاؤں کے چھالو

سمٹ جائیں گے خود ہی سب اندھیرے
بکھرتے جاؤ اے روشن خیالو

خمارؔ آواز ہے عصرِ رواں کی
سنو کچھ غور سے اے سننے والو

پھرتے تو ہیں پرند کھلے آسمان میں
لیکن نہ کوئی بات کسی کی اڑان میں

بازار میں ہم آئے تھے کیا کیا خریدنے
دیکھا تو تھا نہ کچھ بھی کسی کے دکان میں

خود کو جو دیکھتا ہوں تو ایسا لگے مجھے
جیسے مکیں ہوں اور کسی کے مکان میں

جب جب کھلی ہے صحن تمنا میں چاندنی
بادل کہیں سے آ گئے ہیں آسمان میں

خوشبو ترے خیال کی رہتی ہے ساتھ ساتھ
شامل ہے تازگی بھی سفر کی تھکان میں

کہتے تھے آسماں کو ظالم زمیں کے لوگ
چرچے اب اس زمین کے ہیں آسمان میں

یہ دور ہے سلگتے دماغوں کا اے خمار
کس سے کرو گے بات دلوں کی زبان میں

مجھے میں خود کہ کوئی ہم سفر سونے نہیں دیتا
نہ جانے کون ہے جو رات بھر سونے نہیں دیتا

میں کیسے بند کر لوں منتظر آنکھوں کے دروازے
مرے دل کو خیال منتظر سونے نہیں دیتا

جو گٹھری باندھ کر مٹی کی اپنے ساتھ لایا ہے
مسافر کو وہ سامان سفر سونے نہیں دیتا

سہانے خواب کے زانو پہ رکھ دیتا ہوں سر اپنا
ہجوم غم کا شور و غل مگر سونے نہیں دیتا

بہاروں کا تبسم اور برساتوں کی نم آنکھیں
خمار ان سے بچھڑ جانے کا ڈر سونے نہیں دیتا

○

مگر بس ہم روشنی وہ تیرگی کو عام کرتے ہیں
ہم اپنا کام کرتے وہ اپنا کام کرتے ہیں

کبھی اپنا کبھی لوگوں کا غم ہوتا ہے پہلو میں
محبّت کرنے والے دل کہاں آرام کرتے ہیں

مہکتے ہی رہیں یارب حسیں چہرے گلابوں کے
ہم اپنی زندگی حسنِ چمن کے نام کرتے ہیں

تمہاری رات جب ہوتی ہے اپنا دن نکلتا ہے
تمہیں فکرِ سحر ہم انتظارِ شام کرتے ہیں

وہ جن کی ذات میں کردار کی خوشبو نہیں ہوتی
چمن میں ہر کلی ہر پھول کو بدنام کرتے ہیں

خموشی بولتی ہے شور و غل چپ چاپ سنتا ہے
ہم ایسے گفتگو خود سے بوقت شام کرتے ہیں

خمارؔ آتے کہاں ہیں ہاتھ یہ اڑتے ہوئے لمحے
پکڑنے کی انہیں ہم کوششِ ناکام کرتے ہیں

سدرشن کمار شرما دیپ

سدرشن کمار شرما نام، دیپ تخلص ۱۵ اپریل ۱۹۳۴ء کو ویرووال ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم ۔اے اور ایل ۔ ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں اور وکالت سے منسلک ہوگئے۔ وکالت کے ساتھ ساتھ جذباتِ اظہار کے لئے شعر گوئی کا شوق جاری رکھے ہوئے ہیں۔ دیپ صاحب کو اردو زبان سے محبت ہے عصری مسائل کی طرف عوام کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ڈرامے بھی لکھتے ہیں۔

دیپ صاحب نے شاعری میں رہنمائی کے لئے حضرت سخی چند سرشار کو چنا اور انھیں کے دامن فیض سے وابستہ رہے۔ آپ کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں۔

"قطرات اشک"، نغمات آزادی"، طلاق (ڈرامہ) کناٹ پلیس)، رہبر" "بارہ ہاتھ" "پانچواں شوہر" اور "بیوہ کا سہاگ"، وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۷۳ء میں آپ کو اردو ڈرامے "طلاق" پر ہریانہ ساہتیہ اکادمی سے اشاعت کے لیے مالی تعاون اور ۵۰۰ روپیہ کا انعام مل چکا ہے۔ آپ کے دوسرے ڈرامے "زندہ شہید" پر بھی ہریانہ ساہتیہ اکادمی سے ۵۰۰ روپیہ انعام ملا۔ آپ گذشتہ ۲۰ برس سے خدمتِ ادب انجام دے رہے ہیں کچھ مدّت آپ ماہنامہ "شرن"، امرتسر اور ماہنامہ "لوک سیوا" جمنا نگر کے مدیر اور معاون رہ چکے ہیں۔

مستقل پتہ

ہیپی ہوم، وشنو نگر، جگادھری ورکشاپ یمنا نگر (ہریانہ)

غزلیں

اب جفاؤں سے کون ڈرتا ہے
ان بلاؤں سے کون ڈرتا ہے

لوگ ڈرتے ہیں اہلِ دولت سے
بے نواؤں سے کون ڈرتا ہے

جو جفائیں ہوں آئے دن نازل
ان جفاؤں سے کون ڈرتا ہے

آشیانہ بکھر گیا اے دیپؔ
اب ہواؤں سے کون ڈرتا ہے
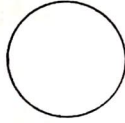
شب غم میں آنسو پئے جا رہا ہوں
انہی کے سہارے جئے جا رہا ہوں

زمانے سے مجھکو ملے زخم گہرے
میرا ہی جگر ہے جئے جا رہا ہوں

رہی نا امیدی مرے ساتھ ہر دم
یہی بوجھ دل پر لیے جا رہا ہوں

وہ جن کو حسد، بغض، کینہ ہے مجھ سے
میں ان سے بھی الفت کئے جا رہا ہوں

گریباں میں اے دیپ ہیں چاک لاکھوں
انہیں رفتہ رفتہ سئے جا رہا ہوں

ڈاکٹر رانا پرتاپ سنگھ رانا

ڈاکٹر رانا پرتاپ سنگھ رانا ۱۳ر جون ۱۹۳۸ء کو جہانپور تحصیل علی پور ضلع مظفر گڈھ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد گنور منڈی ضلع سونی پت میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ ریاست ہریانہ کے معروف شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے (اردو، ہندی، سنسکرت) میں ایم۔اے۔ اور بی۔ ایڈ کی ڈگریاں حاصل کیں، کورو کشیتر یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کیا۔ آجکل آپ آر۔ کے۔ ایس ڈی کالج کیتھل میں ہندی کے لکچرار ہیں۔

آپ کو شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ مگر جیمنی سرشار سونی پتی کی تربیت سے یہ شوق پروان چڑھا۔ آپ نے موصوف سے ہی اصلاح سخن لی۔ رانا صاحب کی ابتک ۷ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ "ترنگیں" "میگھ دوت"۔ "فانوس خیال"، "کرانتی دوت مہارشی دیانند"، "رعنائی خیال"، "رشمیاں" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ آپ تذکرہ شعراء ہریانہ" بھی مرتب کر چکے ہیں۔ آجکل آپ اپنا مجموعۂ کلام "روشنی کی لکیر" ترتیب دے رہے ہیں۔ آپ کی محبوب صنف سخن غزل ہے۔

"فانوس خیال"، "میگھ دوت"، "رعنائی خیال" اور "تذکرہ شعراء ہریانہ" پر ملک کی مختلف اکادمیوں سے آٹھ مختلف انعامات حاصل کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر رانا نے بچوں سے متعلق ادب پر بھی قابل ذکر کام کیا ہے۔ نظموں کا مجموعہ "میٹھے بول" زیر ترتیب ہے۔ اُردو، ہندی، سنسکرت میں فاضل ہونیکی وجہ سے ڈاکٹر رانا گنوری کا مطمح نظر لسانی یکجہتی کا فروغ قابل ستائش ہے۔ آپ مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ اور آپ کا کلام ریڈیو سے نشر ہوتا رہتا ہے۔

پتہ:- ۵ر پروفیسر کالونی۔ کیتھل۔ ضلع کورو کشیتر (ہریانہ)

رسّی یہ انا کی ہے جل جائے تو جل جائے
ممکن ہی نہیں لیکن اس رسی کا بل جائے

جانا تو سبھی کو ہے اس عالم فانی سے
ہو آج کوئی رخصت یا پھر کوئی کل آئے

سر چڑھ کے نہ بولے کس کام کا وہ جادو
جادو تو اسے کہئے جو وقت پہ چل جائے

محفل سے مجھے اپنی یہ کہہ کے اٹھاتے ہیں
کانٹا یہ لگا ہوں کا اچھا ہے نکل جائے

عاقل اسے تم جانو اس کو ہی چتر سمجھو
حالات بدلنے پر نظریں جو بدل جائے

○

موت سے آنکھیں ملا کر مسکرا سکتا ہوں میں
وقت کا سقراط کبھی بن کر دکھا سکتا ہوں میں

سر فروشوں کا لہو میری رگوں میں ہے رواں
خنجروں کے سائے میں کبھی گیت گا سکتا ہوں میں

تم اگر دیوانہ کہتے ہو مجھے کہتے رہو
تم سے فرزانوں کو بھی جینا سکھا سکتا ہوں میں

رات دن یہ فکر دامنگیر رہتی ہے مجھے
کس طرح اب قوم کی بگڑی بنا سکتا ہوں میں

آپ کبھی دانا اگر دیں ہاتھ میرے ہاتھ میں
ہاتھ کے جوہر زمانے کو دکھا سکتا ہوں میں

○

تم کو پتھر ہی جو بننا ہے تو پھر بہتر بنو
راہ کا پتھر نہ بن کر میل کا پتھر بنو

باعثِ آسودگی ہونا اگر ممکن نہیں
پھر کسی کے واسطے کیوں وجہ دردِ سر بنو

غم سے گھبرا کے تو ہرگز غم غلط ہوتا نہیں
غم غلط کرنا ہے راناجی تو غم پرور بنو

مجھکو اے وحشت کہاں لائی ہیں جاؤں کس جگہ
سارا عالم ہے تماشائی ہیں جاؤں کس جگہ

اب طبیعت اس اکیلے پن سے بھی گھبرا گئی
تو بتا اے کنجِ تنہائی ہیں جاؤں کس جگہ

ڈھونڈتا پھرتا ہوں کچھ اپنا نشاں ملتا نہیں
آرزوئے خود شناسائی ہیں جاؤں کس جگہ

ڈاکٹر کے کے رشی

آپ کی تاریخ ولادت ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء ہے ۔ ڈاکٹر رشی طبعاً منکسر شخصیت کے مالک ہیں۔ ہندی اور انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو زبان سے بے لوث قربت و تعلق نے اوائل عمری ہی میں آپ کو شاعر بنا دیا۔ آج کل آپ کوروکشیتر یونیورسٹی کے شعبۂ علم حیوانیات میں مدرس ہیں۔ علم حیوانیات ہی میں آپ نے ایم ۔ اے کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ۔ آپ متعدد ہندوستانی اور غیر ملکی تحقیقی میگزینوں میں اپنے مضمون سے متعلق آرٹیکل لکھتے رہے ہیں ۔ کوروکشیتر اور قرب و نواح کی ادبی فضاؤں کے ماحول میں رہ کر آپ کے ذوقِ سلیم پر نکھار آتا رہا ۔ یوں تو عرصۂ دراز سے شعر کہہ رہے ہیں ۔ لیکن دس سال پہلے حضرت ساحر سیالکوٹی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا ۔ تو فروغِ سخن نے جلا پائی ۔ آپ کے کلام میں دبستانِ داغ کے تغزل کی خوبیاں پائی جاتی ہیں ۔ پروازِ فکر اور اظہار میں ایجاز و اختصار کے محاسن لائقِ ستائش ہیں ۔

پتہ

ڈی ۵ ۷ کوروکشیتر یونیورسٹی کوروکشیتر

ڈاکٹر کے رشی

غزلیں

پہلے حالات کو سمجھا جائے
پھر کوئی راستہ ڈھونڈا جائے

نفرت و کینہ، حسد، بغض و فریب
بڑھتے سیلاب کو روکا جائے

دھندلی دھندلی سی ہے تصویرِ حیات
چشمِ ادراک کو کھولا جائے

عشق میں اس کی نہیں چل سکتی
عقل کو طاق پہ رکھا جائے

دیکھو! سچ بول رہا ہے کوئی
کسی قاتل کو پکارا جائے

میں رقصاں ہوں نہیں معلوم مجھکو
ہلاتا ہے کہاں سے تار کوئی

نگاہیں فاتحوں کی کہہ رہی ہیں
چھپی اس جیت میں ہے ہار کوئی

وہ آجائیں تو حیرت بھی نہیں ہے
مگر ایسے نہیں آثار کوئی

فقیروں سے ہنسی اچھی نہیں ہے
نہیں یوں چھوڑتا گھر بار کوئی
وفا کا بھی صلہ تم چاہتے ہو
رشی کیا پیار ہے بیوپار کوئی

حادثہ کیوں زوال کو سمجھو
اپنے ماضی سے حال کو سمجھو

زیست نغمہ ہے، تم اگر اس کے
سر کو پہچانو. تال کو سمجھو

چاہتے ہو اگر درشت جواب
دیکھو پہلے سوال کو سمجھو

یہ ہنساتی بھی ہے رلاتی بھی
زندگی کے کمال کو سمجھو

راز کھل جائے گا مسرّت کا
حزن و رنج و ملال کو سمجھو

دشمنوں ہی سے باخبر نہ رہو
دوستوں کی بھی چال کو سمجھو

شاعری گورشیؔ کی سادہ ہے
اس کے گہرے خیال کو سمجھو

کس قدر قابل ستائش کھلا ہوا سا گلاب چہرہ ہے
وہ آپ اپنی مثال آنکھیں۔ وہ آپ اپنا جواب چہرہ

ملے ہیں یوں سب کو جسم خاکی، مگر کہاں ہے وہ پر تپاکی
دہکتے شعلوں کا وہ بدن ہے۔ وہ ہو بہو آفتاب چہرہ

ہزار پونم کے چاند دیکھے۔ مگر سب اس وقت ماند دیکھے
کہ جب سے بے تکلفی میں وہ ہو گیا بے نقاب چہرہ

بدن میں مستی سی بھر رہی ہے۔ جو مجھکو بے ہوش کر رہی ہے
بلوری آنکھوں کے جام بھر کر پلا رہا ہے شراب چہرہ

اسے نہ ہر گز میں بھول پاؤں۔ خیال میں اس کے کھو سا جاؤں
وہ عمرِ رفتہ کی یاد چہرہ۔ وہ عہدِ طفلی کا خواب چہرہ

اسے جو دیکھا تو میں نے مانا۔ سخنوری کا ہے وہ خزانہ
غزل ہے ہر ایک نقش اس کا وہ شاعری کی کتاب چہرہ

بہت سے جلوے حسین پائے۔ رشیؔ نہ دل میں مرے سمائے
مگر یہ ہے اعتراف مجھ کو کہ تھا وہ اک لاجواب چہرہ

دل میں اک درد بدستور گوارا کرنا
اتنا آساں نہیں یادوں پہ گزارا کرنا

پھول دے آنا ہوا ان کو چمن کے سارے
ان کے گھر جاؤ تو یہ کام ہمارا کرنا

دوستی ہو گئی آسان زمانے میں بہت
سکھ میں پاس آنا مصیبت میں کنارا کرنا

وسعتیں اور نہ راتوں کے اندھیروں کی بڑھیں
تم سرِ شام نہ زلفوں کو سنوارا کرنا

یاس اور کیف کی ہم اتنی حقیقت سمجھے
اک نہیں بھولنا. اک دھیان تمہارا کرنا

عقل تو سوچتی ہے ترکِ وفا کی باتیں
دل یہ کہتا ہے رشی. یہ نہ خدارا کرنا

چیت رام رہبر

چیت رام نام، رہبرؔ تخلص ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو موضع پر تھلہ ضلع حصار میں پیدا ہوئے۔ آپ نے انگریزی اور تاریخ میں ایم۔ اے۔ کرنے کے بعد ملازمت کو ذریعہ معاش بنایا۔ آج کل آپ ہریانہ کے محکمۂ تعلیم میں سرکل پاپولیشن ایجوکیشن آفیسر ہیں۔ شاعری کا شوق دورانِ تعلیم پیدا ہوا۔ جناب زارؔ علامی کی صحبت میں یہ شوق پروان چڑھا۔ اور موصوف کو ہی اپنا استاد مانتے ہیں آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔

آپ کا کلام ملک کے رسائل و جرائد میں شائع ہوتا ہے۔ اور ریڈیو سے بھی نشر ہوتا ہے۔

آپ کی طبیعت روحانیت کی جانب مائل ہے درج ذیل شعر میں اس کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔

ہم شراب معرفت میں ہر گھڑی سرشار ہیں
وہ نہیں میکش جو پیتے ہیں گھٹا کو دیکھکر

پتہ

کوٹھی نمبر ۳۹۷ کرشنا نگر حصار

رہبر حصاری

غزلیں

محنت سے فروزاں ہوا فردا میرے آگے
عقدا نہ رہا ایک بھی عقدا میرے آگے

خالق نے مجھے صبر کی دولت سے نوازا
اب ہیچ ہے قارون کا خزانہ میرے آگے

میں توبہ سے ٹکرا کے ابھی توڑ دوں اس کو
رکھا ہو اگر ساغرِ صہبا میرے آگے

رہبر نہیں کچھ گردشِ دوراں سے مجھے خوف
یہ لاکھ چلے تان کے سینہ میرے آگے

فروزاں غیر کی ضو سے ہمارا آشیاں کیوں ہو
برائے روشنی اس کے لئے برق تپاں کیوں ہو

رہے گی حشر میں مل کر جو ملنی ہے سزا مجھ کو
مسلسل زندگی میرے لئے پھر امتحاں کیوں ہو

جہاں کی نعمتیں ساری وراثت ہیں امیروں کی
کسی مفلس کے سینے میں یہاں خواہش جواں کیوں ہو

مناسب ہی نہیں کوئی اجارہ دار بن بیٹھے
کسی بھی ایک فرقے کی بھلا اردو زباں کیوں ہو

غم دوراں کا استبداد ہر چہرے پہ چھایا ہے
تو رہبر تم اکیلے ہی یہاں پھر شادماں کیوں ہو

○

ہم زندگی میں خدمتِ انساں نہ کر سکے
دنیا میں نام اپنا نمایاں نہ کر سکے

جو بجلیوں کے ڈر سے رہے تیرگی پسند
وہ اپنے آشیاں میں چراغاں نہ کر سکے

رسوا نہ ہو جہان میں وہ بے وفا کہیں
ہم اپنے داغِ دل کو نمایاں نہ کر سکے

دنیا کے رنج و غم کو مٹانے کی فکر ہے
لیکن ہم اپنے درد کا درماں نہ کر سکے

○

زمانہ برسرِ پیکار کیوں ہے
محبت سے اسے انکار کیوں ہے

لہو انسان کا پیتا ہے انساں
مگر بدنام ہر میخوار کیوں ہے

خدا جب ایک ہے ہم سب کا مالک
تو دیر و کعبہ میں تکرار کیوں ہے

بھری ہے کس لئے ہر دل میں نفرت
یہاں انسانیت بیمار کیوں ہے

نہ اب دنیا کا ہے یہ اور نہ دیں کا
بشر اتنا ذلیل و خوار کیوں ہے

دیویندر کمار بھلہ سحر پریمی

دیویندر کمار بھلہ سحر پریمی کی پیدائش ۲۲ر نومبر ۱۹۳۴ء کو نارووال ضلع سیالکوٹ (پاکستان) میں ہوئی۔ تاریخ اور انگریزی میں ایم۔ اے۔ کرنے کے بعد بی ٹی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اور درس و تدریس کو ذریعہ معاش بنایا۔ ان دنوں سمالکھ (کرنال) میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے اور کرنال (ہریانہ) میں آباد ہو گئے۔ شاعری کا شوق آپ کو دورانِ تعلیم پیدا ہوا مگر مشقِ سخن ۱۹۵۱ء میں شروع کی اور جب سے اب تک زُلفِ عروس فن کو سنوارنے میں انہماک سے لگے ہوئے ہیں۔ سحر نے اُردو غزل کا روایتی اُسلوب اپنایا۔ آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے مگر اس کے علاوہ قطعہ، رباعی اور نظم کی اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں۔

سحر پریمی جناب رگھبیر داس ساحر سیالکوٹی کے شاگرد ہیں قبلہ جوش ملسیانی صاحب کے "ابھینندن گرنتھ" اور "تذکرہ شعراء ہریانہ" میں آپ کا کلام شامل ہے ۱۹۸۷ء میں آپ کا مجموعۂ کلام "سحر سخن" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جس پر ہریانہ اردو اکادمی سے مالی تعاون بھی ملا۔

سحر صاحب کرنال کی مختلف ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصّہ لیتے رہتے ہیں اور ملک کے مختلف مشاعروں سیمناروں میں شرکت فرماتے رہتے ہیں۔

پتہ: سمالکھ۔ کرنال

یہ کس نے کر دیا پیوست دل میں کانٹا سا
شکستِ زیست کا ہر گام پر ہے کھٹکا سا

وہ پاس تھے تو اڑا جا رہا تھا رخشِ وقت
وہ کیا گئے کہ ہے اب وقت ٹھہرا ٹھہرا سا

مرے خیال کی دنیا میں کس کے جلوے ہیں
کہ اب تو چاند بھی لگتا ہے مجھکو میلا سا!

وہ دورِ تلخ کہ جس نے ہمیں کیا بالغ
وہ دورِ تلخ بھی لگتا ہے سحر میٹھا سا

غزلیں

کوئی بھی بتکدہ عرفان کی منزل تو نہیں ہوتا
مگر اس میں سراغِ جادہ منزل تو ملتا ہے

کسی بت خانے میں جا کر خدا مانا نہیں ملتا
مگر اتنا بھی کیا کم ہے سکونِ دل تو ملتا ہے

بشر اقبال کر لیتا ہے جب اپنے گناہوں کا
بظاہر ہی سہی توبہ پہ وہ مائل تو ملتا ہے

یہ مانا بتکدہ عشرت گہہ عصیاں نہیں لیکن
وہ تکمیلِ گنہ کی راہ میں حائل تو ملتا ہے

رہِ حق سے شناسا گو ہم اسکو کہہ نہیں سکتے
یہ کیا کم ہے کہ سحرؔ اب منکر باطل تو ملتا ہے
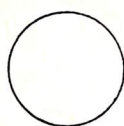
زندگی تو نے کیا دیا مجھکو
زندہ رہنے کی دی سزا مجھکو

کیسے جھیلوں گا ضرب ہائے الم
دل دیا بھی تو کانچ سا مجھکو

کوئی کھڑکی نہ کوئی دروازہ
کیا کہوں کیسا گھر ملا مجھکو

میں تو اپنی وفا پہ نادم ہوں
تو نے کچھ بھی نہیں کہا مجھکو

مجھ کو جرأت طلب نہ ہوئی
در رحمت تو وا ملا مجھکو

خود کو پہچانتا کہاں ہوں میں
کیوں دکھاتے ہو آئینہ مجھکو

ان کو جب سے خدا بنایا ہے
یاد آتا نہیں خدا مجھکو

سحر جیسا بھی ہوں میں تیرا ہوں
تو نظر سے نہ اب گرا مجھکو

کیا بتاؤں مجھکو اس دنیا میں کیا کیسا لگے
جو برا لگتا ہے سبکو مجھ کو وہ اچھا لگے

کر چکا ہوں خودکشی میں زندگی میں بارہا
پھر بھی زندہ ہوں میں اب تک یہ معمّہ سا لگے

دل ہو خوش تو دشت و ویرانہ بھی ہیں رشک چمن
غمزدہ دل کو مہکتا شہر بھی صحرا لگے

کر رہے ہیں نیک و بد پر غور آپ اس دور میں
ذہن مجھکو آپ کا تو پچھلے وقتوں کا لگے

اس سے بڑھ کر فیض کیا ہوگا بہار حسن کا
جس جگہ کانٹا چبھے اک پھول سا کھلتا لگے

کرنے لگتا ہے وہ کوئی دوسرا سورج تلاش
جب کسی کو اپنا سورج دہر میں ڈھلتا لگے

آدمی نے کچھ تو بتاؤ اپنی منزل ہے کہاں
ہم کو تو ہر میل کا پتھر بھی اک دھوکا لگے

محمد صدیق شاد نوحی

محمد صدیق شاد نوحی کی پیدائش ۶ر نومبر ۱۹۳۵ء کو نوح ضلع گوڑگاؤں (ہریانہ) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے گھر پر حاصل کی۔ اور بعد میں پنجاب یونیورسٹی (سولن) سے ادیب (اردو) کا امتحان پاس کیا اور دستکاری سے منسلک ہو گئے۔

شاد صاحب کو شاعری کا شوق اوائل عمری سے ہے۔ ابتدا میں آپ نے سید محمود الحسن صاحب سے اصلاحِ سخن حاصل کی۔ ان کے انتقال کے بعد آپ مصور سبزواری کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو گئے۔ آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔ غزلوں کا مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ آپ کے کلام میں سلاست اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ شاد صاحب کی غزلیں ۱۹۶۵ء سے مختلف رسالوں میں چھپتی رہتی ہیں۔ آپ ضلع گوڑگاؤں کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اور اردو کے فروغ میں اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔

پتہ

نوح۔ ضلع گوڑگاؤں (ہریانہ)

اڑا ہواؤں کی صیقل سے زنگ پانی کا
دکھائی دیتا ہے چہروں پہ رنگ پانی کا

مکاں کی آخری دیوار کٹ کے ڈھیر ہوئی
دباؤ روکتے کیا خشت و سنگ پانی کا

لگالو کشتیاں لوٹا کے اپنی ساحل پر
حباب ہے کوئی سرگرم جنگ پانی کا

ہمارے جسم بھی تیریں گے سیپیوں کی طرح
جو راستہ نہ ہوا ہم سے تنگ پانی کا

کہیں تو ابر کی صورت وہ شادؔ برسے گا
جدا اگر ہو سمندر سے رنگ پانی کا

کھڑا ہے موڑ پہ چپ چاپ کس کی خاطر تو
کہاں سے بھول گیا راستہ مسافر تو

یہ کس نے کھول دیئے دست و پا ہواؤں کے
ابھی تو قید تھا مٹھی میں عہد حاضر تو

چلا گیا وہ مکاں سے نکل کے جس کے لئے
ہوا ہے سایۂ دیوار بن کے ظاہر تو

یہ کیا خبر تھی کسی ذات کے تحفظ میں
قدم قدم پہ بچھڑتا رہا ہے آخر تو

ملا نہ شادؔ یہاں کچھ اداسیوں کے سوا
سمیٹ لے گیا سب شہر کے مناظر تو

تیرے تو ہاتھ میں پتھر ہیں ساری بستی کے
تو کس کے واسطے شیشے کا گھر خریدتا ہے

اڑا کے لے گئیں جس کی چھتیں ابابیلیں
تو اس مکاں کے دیوار و در خریدتا ہے

○

میں سنگ ہوں نہ کوئی موم کا سمندر ہوں
دیارِ شام کی پرچھائیوں کا منظر ہوں

مجھے بھی ساتھ لگا لے غبارِ ریگ رواں
اجاڑ دشت میں تیری طرح سے بے گھر ہوں

پڑا ہی رہنے دے پتھر سمجھ کے رستے میں
کسی زوال شدہ شخص کا مقدر ہوں

نہ پا سکوگے مجھے گل شکن جزیروں میں
زمیں پہ بکھری ہوئی خوشبوؤں کے اندر ہوں

اسی لئے تو نہ الٹے ورق کتابوں کے
شنیدہ لفظوں کے آئینے کا سکندر ہوں

جسے زمانہ ہوئے شاد پاؤں چھوتے ہوئے
میں اس مکاں کی دہلیز کا وہ پتھر ہوں

ارشاد محمد شاد

جناب ارشاد محمد خاں شاد کا تعلق ضلع بجنور کے ایک مشہور قصبے بڑھاپور سے ہے۔ جہاں وہ ۱۹۴۵ء میں ایک پٹھان گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن اپنے بچپن کا زمانہ انھوں نے نجیب آباد اور دہرہ دون میں گذارا۔ شاعری اُنہیں وراثت میں ملی ہے ان کے والدِ محترم جناب ایازؔ بڑھاپوری ایک پُرگو اور صاحبِ طرز شاعر ہیں اور اپنے علاقے میں ان کا ایک مقام ہے شادؔ صاحب انھیں کی معیت میں ہی مشاعروں اور ادبی محفلوں میں شریک ہوتے رہے اور انھیں کے طفیل نجیب آباد اور دہرہ دون کی ادبی انجمنوں میں سرگرم حصّہ لیا اور مشقِ سخن کا فیض حاصل کرتے رہے اپنی گھریلو مجبوریوں کے باعث وہ اپنی تعلیم زیادہ دیر جاری نہ رکھ سکے۔ اور دسویں جماعت سے قبل ہی انھیں اسکول چھوڑنا پڑا۔ گھر کا ماحول ادبی ہونے کی وجہ سے وہ علم و ادب کے سرچشموں سے فیضیاب ہوتے رہے۔ چھٹی دہائی کے وسط میں فریدآباد آجانے پر اپنی کاروباری مصروفیات کے باعث ان کا رشتہ کچھ عرصے تک شعر و شاعری سے کٹا رہا۔ مگر فریدآباد میں ہی "ادبی سنگم" کے معرضِ وجود میں آجانے پر انہیں پھر سے شعر کہنے کی تحریک ملی اور وہ جناب ہیرا نند سوزؔ سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ ان کا اندازِ فکر جدید حسیّت کا حامل ہے۔ مگر روایت کے اثاثے کو بھی وہ اپنے اشعار میں فراخدلی سے استعمال کرتے ہیں۔ جس سے اُن کے کلام میں تنوع پیدا ہو گیا ہے۔

پتہ

۷/۸ سیکٹر ۱۰ فریدآباد ۱۲۱۰۰۶

ارشاد محمد خاں

غزلیں

تمہارے شہر کے لوگوں میں بے حسی کیوں ہے
ہر ایک لب پہ یہاں مہر خامشی کیوں ہے

اگر ہے اوج پہ انسان علم و دانش میں
خلوص و مہر کی دنیا میں پھر کمی کیوں ہے

خدا کے راز کو انساں کا ذہن کیا سمجھے
فلک کہاں ہے زمیں کیا ہے زندگی کیوں ہے

اسے تو رکھا تھا ہم نے چھپا کے سینے میں
ہمارے پیار کا چرچا گلی گلی کیوں ہے

مجھے جو چھوڑ گیا ہجر کے اندھیروں میں
اسی کے دم سے میرے دل میں روشنی کیوں ہے

ہم تو نافہم تجھے یارب تیرا در بھول گئے
تیرے بندے بھی تیری راہ گذر بھول گئے

وقت سے پہلے دلِ حساس نے جھیلا رو کر
پھر تو ہم سلسلۂ شام و سحر بھول گئے

اتنے در مہر و محبت کے ہوئے وا ہم پر
پیار کے شہر میں ہم آپ کا در بھول گئے

جب کسی آنکھ میں ایک آنسو بھی ہم نے دیکھا
خوں فشانی تیری اے دیدۂ تر بھول گئے

وہ تو ہے آج بھی یادوں کے سہارے زندہ
پیار ہم نے بھی کیا اس سے مگر بھول گئے

○

جو نظر آئے ہمیں پیار نہ کرنے والے
در حقیقت تھے وہی دل میں اترنے والے

شجرِ زیست پہ آیا ہے خزاں کا موسم
خشک پتوں کی طرح ہم ہیں بکھرنے والے

قتل ہونے میں بھی اعجازِ مسیحائی تھا
اپنے قاتل کو دعا دے گئے مرنے والے

ہم کو نشے میں بھی ملتا ہے ثوابِ سجدہ
ہم سے میکش نہیں زاہد سے سدھرنے والے

اس طرح الجھے ہیں تقدیر کے گیسوئے شادؔ
یہ نہیں شانۂ محنت سے سنورنے والے

نظم

میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں
تھا کبھی علم و دانش کا تو آسماں
علمیت ایک سورج کی صورت جہاں
ذہن انساں پہ صدیوں رہی ضو فشاں
وقت کی دھند میں کھو گیا ہے کہاں
میرے پیارے وطن، میرے ہندوستاں

تیری وحدت میں تھی رونقِ انجمن
دیدنی تھا ترا حسن اور بانکپن
تیری تہذیب تھی جیسے گنگ و جمن
تجھ پہ قرباں ہوئے کتنے اہلِ وطن
چھین لیں کس نے تجھ سے وہ سب خوبیاں
میرے پیارے وطن، میرے ہندوستاں

تو ہی دنیا میں تھا مرکزِ دل کشی
تیری فطرت میں تھے امن اور آشتی
پیش کی تو نے قوموں کو آسودگی
اور بخشی ہر اک ذہن کو روشنی
آج تیرا مقدر ہیں تاریکیاں
میرے پیارے وطن، میرے ہندوستاں

تیرے ماضی کا چہرہ ہے کتنا حسیں
تھی صداقت سے پرنور تیری جبیں
تیری تقدیس سے تھے اہلِ دل، اہلِ دیں
آج گوتم کی نانک کی یہ سرزمیں
کیوں تعصب کے زخموں سے ہے خونچکاں
میرے پیارے وطن، میرے ہندوستاں

جب زمانہ جہالت سے تاراج تھا
تیرے سر پہ ہی تہذیب کا تاج تھا
تیری دانش کا ہر ملک محتاج تھا
تیری دھرتی پہ ہی رام کا راج تھا
آج ہر سمت پھرتے ہیں راون یہاں
میرے پیارے وطن، میرے ہندوستاں

گوپال کرشن شفق

گوپال کرشن شفق کی پیدائش ۲۶ر اکتوبر ۱۹۳۲ء کو پٹیالہ (پنجاب) میں ہوئی۔ شفق صاحب نے ابتدائی تعلیم کے مدارج طے کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے۔(اردو) کی سند حاصل کی۔

گوپال کرشن شفق عرصہ دراز سے ہریانہ کے کالپی ضلع انبالہ میں آباد ہیں۔ اپنی میڈیکل پریکٹس کر رہے ہیں۔ شاعری کا شوق آپ کو دورانِ تعلیم پیدا ہوا۔ آپ کی محبوب صنف غزل ہے۔ سلیس و سادہ زبان اور آسان طرز بیان ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ شفق صاحب حضرت زار علامی کے شاگرد رشید ہیں۔

شفق صاحب پٹیالہ میں قیام کے دوران "بزم ادب" کے جنرل سکریٹری رہے۔ آج کل ادبی ثقافتی سرگرمیوں میں برابر حصہ لیتے ہیں۔ آپ کا کلام ملک کے مختلف اخباروں اور رسالوں میں چھپتا رہتا ہے۔ آپ مشاعروں اور سیمیناروں میں بھی شریک ہوتے رہتے ہیں۔ غزلوں کا مجموعہ "رنگِ شفق" زیر ترتیب ہے۔

پتہ

ڈاکٹر گوپال کرشن شفق۔ کالبی ضلع انبالہ

گوپال کرشن شفق

غزلیں

مجھے مٹا نہ سکیں گردشیں زمانے کی
ہزار کوششیں کرتی رہیں مٹانے کی

وہ جن کے قدموں پہ میں زندگی لٹا بیٹھا
وہ بات کرتے ہیں اب مرے آزمانے کی

میں ان کی راہ میں آنکھیں بچھائے بیٹھا ہوں
جو کھائے بیٹھے ہیں قسمیں ادھر نہ آنے کی

یہ اضطراب یہ لیل و نہار کے جھگڑے
یہ بخششیں ہیں ہمیں اس نئے زمانے کی

مٹا دے دیر و حرم کے یہ فاصلے یا رب
کوئی جگہ تو ملے ہم کو سر جھکانے کی

کسی بھی بات کا ان کی شفق خیال نہ کر
جناب شیخ نے کیا بات کی ٹھکانے کی

بے پئے مے کی برائی شیخ جی اچھی نہیں
جو بھی کہنا ہے وہ کہیے ہوش فرمانے کے بعد

پارسائی کی یہ باتیں شام تک تو ٹھیک ہیں
کچھ اثر رکھتی نہیں ہیں شام ڈھل جانے کے بعد

راحتیں کیوں ڈھونڈنے ہو خواہشوں کی بھیڑ میں
کوئی شئے ملتی نہیں جنگل میں کھو جانے کے بعد

کھل گئیں آنکھیں تو دیکھا سامنے اس کا جمال
ہوش میں رہتا میں کیسے ہوش میں آنے کے بعد

رو برو ہو کر شفق سے بات بھی کرتے نہیں
یاد کر کے روئیے گا اس کو مر جانے کے بعد

○

نادان مسافر ہیں رہبر بھی ہیں انجانے
ملتی ہے کسے منزل یہ بات خدا جانے

بدمستی رنداں نے کیا حشر اٹھایا ہے
مینا نے ہیں بکھرے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانے

اے شمع تری لَو میں وہ کون سا جادو ہے
جلنے کو چلے آئے پروانوں پہ پروانے

نفرت سے نہ یوں دیکھو شوریدہ مزاجوں کو
ہم خانہ بدوشوں سے آباد ہیں ویرانے

رہنے دو شفقؔ ان کو یہ راز کی باتیں ہیں
سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے دیوانوں کو فرزانے

—

○

آتشِ غم سے مرا دل ہے کہ جلتا جائے ہے
زندگی کا روپ کس سانچے میں ڈھلتا جائے ہے

دورِ حاضر کی کرم فرمائیاں ہم سے نہ پوچھ
وقت ہر لمحہ سمِ نفرت اگلتا جائے ہے

اے یقینِ کامرانی اب چلا جادو کوئی
میرے ہاتھوں سے ترا دامن نکلتا جائے ہے

ہائے ہمت میں وہ پہلی سی توانائی کہاں
ہر قدم پر آدمی اب تو پھسلتا جائے ہے

کس قدر بے آسرا ہے آج کل کا آدمی
خود ہی گرتا جائے ہے خود ہی سنبھلتا جائے ہے

حسنِ خود بیں کی ستم انگیزیاں ہم سے نہ پوچھ
عشقِ بے حاصل کفِ افسوس ملتا جائے ہے

پھول کی سی نازکی ہے بجلیوں کی سی تڑپ
حسن کس کا اے شفیقؔ شعروں میں ڈھلتا جائے ہے

○

عالم تو دیکھئے ذرا ان کے شباب کا
جیسے ہو موجزن کوئی دریا شراب کا

کیا کہیئے اس کے حسنِ تبسم کی کیفیت
دیکھا تو ہوگا آپ نے کھلنا گلاب کا

کیوں بڑھ کے اس کے مصحفِ رخ کو نہ چوم لوں
لازم ہے احترام مقدس کتاب کا

رندوں کی بزمِ کیف میں کیوں شیخ محترم
جھگڑا اٹھا دیا ہے ثواب و عذاب کا

بیداریوں ہیں نغمے دلِ بیقرار میں
چھیڑا ہو جیسے تار کسی نے رباب کا

محبوب وہ چنا ہے کہ جس کا نہیں جواب
کیا کہنا اے شفقؔ ترے اس انتخاب کا

تلک راج وششٹ طلعت عرفانی

تلک راج وششٹ طلعت عرفانی کی پیدائش ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کو موضع کھنانی تحصیل پھالیہ گجرات (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور کوروکشیتر میں آباد ہو گئے۔ آپ نے کوروکشیتر سے میٹرک اور ۱۹۵۶ء میں کرنال سے ایف۔ سی۔ سی کا امتحان پاس کیا۔ اور ۱۹۵۸ء میں محکمۂ ریل میں بکنگ کلرک مقرر ہوئے۔ محکمۂ ریل جیسے متحرک ڈیپارٹمنٹ میں رہ کر ملک کے مختلف شہروں کی سیاحت کی۔ اور گوناگوں تہذیبی اقدار کو قریب سے دیکھنے کا تجربہ ہوا۔ انھیں پس منظروں نے آپ کو شعری ذوق عطا کیا۔ کچھ عرصہ آپ لکھنؤ میں بھی ملازمت کے دوران شملہ کی صحبتوں میں سریش چند شوق، ارمان شہابی، ضیا صدیقی، کرشن کمار طور، آل احمد سرور بمل کرشن اشک بانی مرحوم کے کلام سے متاثر ہوئے۔

ملازمت میں ترقی کے مدارج طے کر کے آپ ٹرین اگزامینر کے عہدے پر پہونچے اور آج کل روہتک میں تعینات ہیں۔ روہتک کے ادبی ماحول میں ان کو بمل کرشن اشک سے قریب ہونے کا موقع ملا اور اب میں جدیدیت کی تحریک سے رغبت پیدا ہوئی۔ اُن کے کلام میں عصری آگہی اور جدیدیت کی تازگی پائی جاتی ہے۔ آپ نے کسی اُستادِ سخن سے باقاعدہ رشتۂ تلمّذ استوار نہیں کیا۔ ادب کے مطالعہ اور اپنی طبع رسا ہی سے رہ نمائی حاصل کی ہے۔

آپ کا مجموعۂ کلام "سورج خیال" ۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ دُوسرا مجموعہ "تعارف" زیرِ ترتیب ہے۔ "سورج خیال" پر آپ کو ہریانہ اُردو اکادمی سے انعام سے نوازا گیا۔

پتہ

ٹی ۔۲۹۔ آر ایل ریلوے کالونی (ہریانہ)

طلعت عرفانی

غزل

سمندر کا پانی تو نمکین ہے
ندی شاید اس ڈر سے غمگین ہے

اگر پیار کا کوئی مذہب نہیں
تو پھر نفرتوں کا بھی کیا دین ہے

یہاں ریت پر لوگ لکھتے ہیں نام
یہ ماحول کس درجہ رنگین ہے

نہ دورِ تفکر نہ دورِ غزل
ہمارے لئے وقت سنگین ہے

خدا جس کو رکھے وہ مرتا نہیں
مگر دشمنی کی یہ توہین ہے

خدا سے تو خائف ہے طلعت مگر
سنا ہے کہ مسلک میں بے دین ہے

متفرقات

○

تھی طبیعت میں جو اکتاہٹ وہ کام آئی بہت
جاں بہ لب رہ کر ہوئی غم کی پذیرائی بہت
زیست کو آخر کسی چھوٹے بڑے کا کیا لحاظ
زندہ رہنے کی سزا ہر شخص نے پائی بہت
شہر کی سفاک سڑکوں سے ہوے جب ہمکنار
یاد اپنے گاؤں کی مٹی ہمیں آئی بہت

○

انگلیوں میں اس کے طاقت ہی نہیں
جس کے ہاتھوں میں سمے کی ڈور ہے

○

ایک ہنگامہ ہر نفس مجھ میں
ایک آوازہ کو بہ کو میرا

کرشن نندہ کرشن

کرشن نندہ کرشن کا شمار ہریانہ کے معروف شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ کا مستقل قیام پانی پت میں ہے۔ حالی اور سلیم کی سرزمین پر اردو ادب کی خدمات میں ان کا جذباتی انہماک رہتا ہے۔ وکالت کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے اردو میں بھی ایم اے کیا۔ ان دنوں آپ ہریانہ سرکار کے محکمہ خزانہ میں اکاونٹس افسر کے عہدے پر معمور ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۵ برس ہے۔ شاعری میں انہوں نے آنجہانی زخمی حصاری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ آجکل اپنا کلام جناب عرش صہبائی کو دکھاتے ہیں۔ آپ کا مجموعہ کلام جھنکار کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے کلام میں تازگی اور منفرد لہجہ ہے۔

پتہ :- ۵، ۱۷ ایل ماڈل ٹاؤن پانی پت

کرشن نندہ کرشن

غزل

ہم انجمن میں آپ کی مہماں ہیں چند روز
یعنی مثالِ بوئے پریشاں ہیں چند روز

اپنی نظر میں دورِ خزاں کو سمائے رکھ
حسنِ چمن پہ جشنِ بہاراں ہیں چند روز

نازاں ہیں اپنی جاہ و حشمت پہ کس قدر
اس ملک و قوم کے جو نگہباں ہیں چند روز

دستِ فنا سے ہونا ہے ان کو بھی تار تار
داماں ہیں چند روز گریباں ہیں چند روز

وہ سامنے ہے موت پیامِ سکوں لئے
ہم اور نذرِ گردشِ دوراں ہیں چند روز

یہ ابتدائے عشق کی سوغات ہی سہی
لیکن تمام حسرت و ارماں ہیں چند روز

اردو زبان سے کرشن کو بے انتہا ہے پیار
بزمِ سخن میں وہ بھی غزل خواں ہیں چند روز

غزلیں

رہبر ہیں شاد کام ۔ مقدر کی بات ہے
مشکل میں ہیں عوام ۔ مقدر کی بات ہے

میخانے جن کے دم سے ہیں آباد اے ندیم
خالی ہیں ان کے جام ۔ مقدر کی بات ہے

دانش ورانِ دہر ہیں گمنام و تنگدست
عبرت کا ہے مقام ۔ مقدر کی بات ہے

کل تک جنہیں ٹکے کو کوئی پوچھتا نہ تھا
آج ان کا ہے مقام ۔ مقدر کی بات ہے

جن طائروں کو ناز تھا اپنی اڑان پر
وہ بھی ہیں زیرِ دام ۔ مقدر کی بات ہے

کی ہے عطا جنہوں نے زمانے کو پختگی
ان کا ہو ذوق خام ۔ مقدر کی بات ہے

ہے کرشن غمگسار بھی، مخلص بھی، نیک بھی
اس پر ہیں اتہام، مقدر کی بات ہے
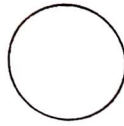
گردش میں ہو نصیب تو انسان کیا کرے
ہو دوست ہی رقیب تو انسان کیا کرے

مانا کہ چلنا پڑتا ہے حالات دیکھ کر
حالات ہوں عجیب تو انسان کیا کرے

کھاتے رہے فریب رقیبوں سے عمر بھر
دھوکا جو دیں حبیب تو انسان کیا کرے

جن کو خدا نے دی ہیں زمانے کی نعمتیں
دل ان کے ہوں غریب تو انسان کیا کرے

حق سے گریز کرنا ہی دنیا میں کفر ہے
قسمت میں ہو صلیب تو انسان کیا کرے

دامن پہ لگ رہے ہیں ادب کے سیاہ داغ
ہوں بے ادب ادیب تو انسان کیا کرے

اے کرشن اک زمانے کی رسوائیاں اگر
ہیں تیرا ہی نصیب تو انسان کیا کرے
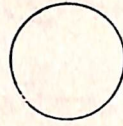
کچھ لوگ اپنے ہاتھ میں تیغ جفا لئے
بیٹھے ہوئے ہیں تاک میں میرا پتہ لئے

پھیلے گی اب جہاں میں محبت کی روشنی
ہر سمت گھومتا ہوں چراغ وفا لئے

خوشیاں ملیں کبھی تو وہ اوروں میں بانٹ دیں
غم دوسروں کے ہم نے اس دل کو لگا لئے

کس داستاں پہ جا کے عبادت کریں گے ہم
بیٹھے ہیں لوگ ہر جگہ نقلی خدا لئے

جن کے طفیل بن گئے اک مستقل مریض
ایسے بھی روگ ہم نے اس دل کو لگا لئے

سمجھا رہے ہیں وہ مجھے رستوں کے پیچ و خم
پہنچے جو منزلوں پہ میرا آسرا لئے

اے کرشن موت نے مجھے خود سے ملا دیا
بھٹکا ہوں ساری زندگی خود کا پتہ لئے

جس نے اوروں کا غم اٹھایا ہے
اس نے کتنا سکون پایا ہے

آفریں ہے وہ جس کے سینے میں
دل تو اپنا ہے غم پرایا ہے

جس کو اونچا مقام ہے حاصل
اس سے لمبا تو اس کا سایا ہے

زندگی موت کے رہین کہاں
موت خود زندگی کا سایا ہے

جس نے محفل سے کل نکالا تھا
آج اس کا پیام آیا ہے

وہی سمجھے گا میری حالت کو
جس نے سینے میں درد پایا ہے

میری بستی اجاڑنے والا
میرے گھر کو، بسانے آیا ہے

سب کی نظریں اٹھیں ہیں اس جانب
آج محفل میں کون آیا ہے

کرشن بہتی ہیں خون کی ندیاں
یوں ہی کب، انقلاب آیا ہے

○

رنج والم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی
دنیا میں غم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

ان کے ستم نے دل میں اک درد سا جگایا
ان کے ستم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

یہ رنج و غم ہی ٹھہرے بنیاد شاعری کی
یہ رنج و غم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

ناز و ادا سلامت، شرم و حیا سلامت
زلفوں میں خم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

تیرے ستم میں پنہا سو راحتیں ہیں دل کی
تیرے ستم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

دیر و حرم سے قائم ہے عظمت عبادت
دیر و حرم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

وہ مے فروش آنکھیں وہ التفات پیہم
مستی میں ہم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

اے کرشن ہیں جہاں میں حق مانگنے کی خاطر
نہ سر قلم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

○

جس نے اوروں کا غم اٹھایا ہے
اس نے کتنا سکون پایا ہے

آفریں ہے وہ جس کے سینے میں
دل تو اپنا ہے غم پرایا ہے

جس کو اونچا مقام ہے حاصل
اس سے لمبا تو اس کا سایا ہے

زندگی موت کے رہین کہاں
موت خود زندگی کا سایا ہے

جس نے محفل سے کل نکالا تھا
آج اس کا پیام آیا ہے

وہی سمجھے گا میری حالت کو
جس نے سینے میں درد پایا ہے

میری بستی اجاڑنے والا
میرے گھر کو، بسانے آیا ہے

سب کی نظریں اٹھی ہیں اس جانب
آج محفل میں کون آیا ہے

کرشن بہتی ہیں خون کی ندیاں
یوں ہی کب، انقلاب آیا ہے

رنج و الم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی
دنیا میں غم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

ان کے ستم نے دل میں اک درد سا جگایا
ان کے ستم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

یہ رنج و غم ہی ٹھہرے بنیاد شاعری کی
یہ رنج و غم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

ناز و ادا سلامت، شرم و حیا سلامت
زلفوں میں خم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

تیرے ستم میں پنہاں سو راحتیں ہیں دل کی
تیرے ستم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

دیر و حرم سے قائم ہے عظمت عبادت
دیر و حرم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

وہ مے فروش آنکھیں وہ التفات پیہم
مستی میں ہم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

اے کرشن ہیں جہاں میں حق مانگنے کی خاطر
نہ سر قلم نہ ہوتے تو شاعری نہ ہوتی

ڈاکٹر راجندر کمار ملہوترہ کمار پانی پتی

ڈاکٹر راجندر کمار ملہوترہ کمار پانی پتی کی پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو منڈی مرطھ بلوچیان دگور چرن پورہ) ضلع شیخو پورہ (پاکستان) میں ہوئی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہندوستان تشریف لائے اور پانی پت میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ نے ایم۔ اے (انگریزی) اور پی۔ ایچ۔ ڈی (انگریزی) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اور درس و تدریس کو ذریعہ معاش بنایا۔ ان دنوں آپ سناتن دھرم کالج پانی پت میں صدر شعبۂ انگریزی ہیں۔ شاعری کا شوق دورانِ تعلیم پیدا ہوا۔ آپ کالج کی "بزم ادب" کے رُوحِ رواں تھے۔ اور اس کے مشاعروں میں سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ ڈاکٹر دولت رام صابر کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ روانی اور زورِ بیان اور لطافت آپ کے کلام کا خاصہ ہے۔ آپ نظم، غزل، قطعہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں لیکن نظم ان کی محبوب صنفِ سخن ہے۔ آپ کے دو مجموعۂ کلام "سازِ ہستی کی بے سری تانیں" اور "آج انسان بننے کا وعدہ کرو" زیرِ ترتیب ہیں۔ ۸۷ء میں مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی کے یومِ وفات پر آپ نے ایک ادبی دستاویز موسومہ "دیدہ بیدار" مرتب کی جس میں مولانا موصوف کے اہم علمی کارناموں پر مقالے شامل کئے گئے ہیں۔

۲۲۔ ۲۱ر نومبر ۸۷ء کو انبالہ میں ہریانہ اُردو اکادمی کے کل ہند سیمنار میں ہریانہ کی نمائندگی کرتے ہوئے آپ نے ایک مقالہ "ہریانہ کے پہلے راج کوی آفتاب پانی پتی اور تحریک آزادی" کے عنوان سے پیش کیا جس کی مناسب پذیرائی ہوئی۔ آپکا کلام ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ اور ملک کے بیشتر مشاعروں میں بھی شرکت فرماتے رہتے ہیں۔

مستقل پتہ:۔ ۱۳۷۵۔ ایم۔ آئی۔ جی۔ بی سیکٹر ۱۲، ۱۱ نیو ہاؤسنگ بورڈ کالونی پانی پت (ہریانہ)

ڈاکٹر کمار پانی پتی

خطاب

یہ مانا ہر کوئی تم کو
نظر انداز کرتا ہے
تمہارا سر کچلتا ہے
تمہیں جاہل سمجھتا ہے
تمہاری کوششیں اکثر
یوں ہی بیکار جاتی ہیں
تمہیں اپنی مشقت کا
صلہ ہرگز نہیں ملتا
تمہیں اہل سیاست نے
ہزاروں سال بہکایا
حقیقت سے پرے رکھا
کھلونے دے کے بہلایا
یہ مانا تم پریشاں ہو
بہت ناچار و بے بس ہو
تمہارا ہر گلہ جائز
شکایت بھی بجا، لیکن
وہ جن کو تم جلاتے ہو
وہ آخر کس کی فصلیں ہیں؟
وہ جن کو تم مٹاتے ہو

وہ آخر کس کی نسلیں ہیں؟
وہ کالج کس کے کالج ہیں؟
وہ سڑکیں کس کی سڑکیں ہیں؟
وہ ریلیں کس کی دولت ہیں؟
وہ آخر کس کی محنت ہیں؟
جلانا ہے اگر لازم
جلاؤ بغض و نفرت کو
مٹانا ہے اگر لازم
مٹاؤ بربریت کو
جلاؤ تم حقارت کو
مٹاؤ ہر شرارت کو
ملامت کو، اذیت کو
اور اس گندی سیاست کو
جو ذہنوں میں بڑھاتی ہے
کدورت کو، عداوت کو
دباتی ہے صداقت کو
ہوا دیتی ہے وحشت کو
چھپاتی ہے حقیقت کو
حماقت کے خلاف اٹھو

جہالت کے خلاف اٹھو

ذلالت کے خلاف اٹھو

رزالت کے خلاف اٹھو

بدل ڈالو زمانے کو

تمہیں حق ہے بدلنے کا

نظام زندگی بدلو

جمال رہبری بدلو

مگر طرزِ عمل بدلو

آج انسان بننے کا وعدہ کرو

سخت ناچار ہے، قوم ویران ہے
قوم کی زندگی، غم کا طوفان ہے
غم کے طوفان میں قوم ڈوبی اگر
بچ نہ پاؤ گے تم
قوم کے ساتھ ہی
ڈوب جاؤ گے تم
قوم زندہ رہے
تم بھی زندہ رہو
قوم کے نام پر
قوم کے رہبرو
آج انسان بننے کا وعدہ کرو
سخت کمزور ہے، آج بیمار ہے
جان ہونٹوں پہ ہے، خون درکار ہے
قوم کے جسم سے قطرہ قطرہ لہو
تم نے چاٹا ہے جو
قوم کی مانگ ہے
آج واپس کرو
قوم زندہ رہے
تم بھی زندہ رہو

قوم کے نام پر
قوم کے رہبرو
آج انسان بننے کا وعدہ کرو۔
اُگ رہے ہیں تخیل میں جو خواب سے
انکو پھونکو نہ نفرت کے تیزاب سے
وقت نازک سہی، راہ مشکل سہی
جم کے آگے بڑھو
آج بھی وقت ہے
قوم کو تھام لو
قوم زندہ رہے
تم بھی زندہ رہو
قوم کے نام پر
قوم کے رہبرو
آج انسان بننے کا وعدہ کرو
لوگ آپس میں ملنے کو بیتاب ہیں
پیار کے پھول کھلنے کو بیتاب ہیں
چھوڑ کر بغض و نفرت کے سب راستے
ساتھ مل کر چلو
قوم کو پھر نئی

زندگی بخش دو

قوم زندہ رہے

تم بھی زندہ رہو

قوم کے نام پر

قوم کے رہبرو

آج انسان بننے کا وعدہ کرو

غزل

عہدِ نو کی سسکیوں کا ساز ہے میری غزل
سوز میں ڈوبی ہوئی آواز ہے میری غزل

زندگی کا نغمۂ صد ساز ہے میری غزل
وقت کے ہر عکس کی غماز ہے میری غزل

میں نے سینچا ہے اسے اپنے جگر کے خون سے
میرے احساسات کی پرواز ہے میری غزل

اس کی رگ رگ میں ہیں میری دھڑکنوں کی وسعتیں
میرے ہر ہمراز کی ہمراز ہے میری غزل

اس میں ناصر کی نوا ہے اس میں ساحر کا فسوں
عہدِ نو کے فکر و فن کا راز ہے میری غزل

شیخ سعدی سے نہیں مجھ کو کوئی نسبت مگر
اہل دل کو دعوتِ شیراز ہے میری غزل

جو جدیدیت کو بخشے گی روایت کا شعور
اس نئی تحریک کا آغاز ہے میری غزل

غزل

منزلوں کو بے نیازانہ جھٹکتے راستے
بے تحاشہ بڑھ رہے ہیں سر پٹکتے راستے

آج بھی ہیں عزم محکم کو دل و جاں سے عزیز
وادیٔ پرخار میں کھو کر بھٹکتے راستے

کہہ رہے ہیں زندگی کے پیچ و خم کی داستاں
پربتوں پر چڑھ کے پیڑوں سے لٹکتے راستے

زندگی کی وسعتوں کا بھی پتہ دیتے رہے
دوریٔ منزل کی آنکھوں میں کھٹکتے راستے

جا بجا پگڈنڈیوں کو اپنی باہوں میں لیے
کہہ رہے ہیں داستانِ غم بھٹکتے راستے

لکھ رہے ہیں جا بجا ہنستے ہوئے "خوش آمدید"
بحر و بر کی شکل میں ڈھل کر چٹکتے راستے

ہر بھٹکتے راہرو کی کر رہے ہیں رہبری
رقص کرتے، جھومتے، گاتے، مٹکتے راستے

گا رہے ہیں آندھیوں کی دھن پہ بربادی کے گیت
جا بجا گرتے درختوں سے اٹکتے راستے

غزل

میرے مقدر کا عکس بن کر لٹے پٹے بدنصیب چہرے
ابھر رہے ہیں مرے تخیل میں آج کل کچھ عجیب چہرے

نہ جانے بدلیں گے کتنی شکلیں ہماری دنیا میں رہنے والے
ہر ایک چہرے کی سیاست پر چڑھا رہے ہیں طبیب چہرے

مری نظر ہے عقاب سیرت کہ جس سے بچنا تھا غیر ممکن
پڑھا کئے چہروں پہ لاکھ نکلے اگرچہ میرے رقیب چہرے

ہزار گرد رہِ زمانہ حسین چہروں پہ جم کے بیٹھے
بھلا نہ پائے گی ان کو دھرتی ہوئے جو وقف صلیب چہرے

یہ میری قسمت کہ اک جزیرہ میں زندگی بھر رہا اکیلا
دھرے تھے یوں تو قدم قدم پر جہاں میں میرے قریب چہرے

بلندیاں جن کے خواب ہم نے بنے تھے کل تک وہ اب ہمیں کو
قدم قدم پر ڈرا رہی ہیں بدل بدل کر عجیب چہرے

نہ جانے اب اور کتنی صدیوں میں جا کے قیمت پڑے گی ان کی
خلوصِ دل سے تراش کر جو سجا رہے ہیں ادیب چہرے

ملک بہاری لعل گوہانی

جناب ملک بہاری لال لعل گوہانی ۵ ستمبر ۱۹۳۴ء کو قصبہ لالیان تحصیل چینوٹ ضلع جھنگ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ مقامی ڈی۔بی، ہائی اسکول سے آپ نے مڈل پاس کیا۔ تقسیمِ ملک کے بعد آپ روہتک میں آباد ہو گئے۔ ۱۹۵۱ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول روہتک سے میٹرک کیا۔ ۱۹۵۵ء میں لعل صاحب گوہانہ (سونی پت) کے سرکاری اسکول مدرس ہو گئے بعد ازاں ۱۹۶۵ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ سے ادیب فاضل اور ۱۹۶۸ء میں بی۔اے کیا۔ دورانِ طالب علمی ہی سے آپ کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ یوں تو آپ نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی۔ لیکن غزل سے انھیں خصوصی ربط ہے۔ منظومات و غزلیات پر مشتمل آپ کا مجموعہ کلام "پیامِ روہتک" ۱۹۵۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

جناب لعل گوہانوی اپنے علاقہ کی معروف ادبی شخصیت ہیں۔ گوہانہ کی "محفلِ ادب" رجسٹرڈ کے آپ چیئرمین بھی ہیں۔ "محفلِ ادب" کی جانب سے اکثر ادبی نشستیں اور مشاعرے منعقد کراتے ہیں اور خود بھی بیرونی مشاعروں میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ اعتراف خدمات کے سلسلہ میں انھیں گولڈ میڈل بھی مل چکا ہے۔

پتہ

۱۱۴۔اے گوردوارہ روڈ گوہانہ (سونی پت)

متفرقات

پھولوں سے چوٹ کھائی تو احساس یہ ہوا
جو زخم دے گیا وہ گلِ تر کہاں رہا

جو بھی نظر سے گر گیا بار گراں ہوا
ٹوٹا جو آسمان سے اختر کہاں رہا

اک ستمگر پر بھروسہ کر لیا
راستے میں خود ہی کانٹے بو لیے

فرق اسکی آپ میں آجائے گا
لعل کو یوں خاک میں کیوں رولئے

مجھے اس دور کا تم رام سمجھو
وطن کو چھوڑ کر رہتا ہوں بن میں

وفاداری فسانہ بن گئی ہے
یہ تبدیلی ہے دنیا کے چلن میں

للت موہنی

للت موہنی یکم ستمبر ۱۹۳۳ء کو انبالہ (ہریانہ) میں پیدا ہوئیں۔ موہنی صاحبہ نے تین مضامین (انگریزی تاریخ اور اردو) میں ایم۔ اے کیا۔ ادبی زندگی کا آغاز اوائل عمری میں ہوا۔ کلام میں اعلا جذبات کا اظہار ملتا ہے۔ انداز بیان میں دبستان داغ کی سلاست اور سادگی کا عنصر نمایاں ہے۔ آپ قیس جالندھری کی شاگرد ہیں۔ اُردو زبان کے فروغ کے سلسلے میں کالج میں مشاعرے اور سیمناروں کا اہتمام کراتی رہتی ہیں:۔

موہنی صاحبہ نے ہماچل پردیش اور ہریانہ کے محکمۂ تعلیم کے لئے اُردو کورس مرتب کئے ہیں آجکل آپ ایس۔ ڈی۔ مہلا۔ مہاودھیالیہ نروانہ ضلع جیند میں پرنسپل ہیں۔ "تذکرۂ شعرائے ہریانہ" (مرتب ڈاکٹر رانا گنوری) میں ان ذکر شامل ہے۔

پتہ

پرنسپل ایس۔ ڈی مہلا ودھیالیہ نروانہ ضلع جیند

غزل

یہ بھی ہے فیض رہبر کامل
رہ گئے لٹ کے ہم سر منزل

کیسی بدلی ہوا زمانے کی
چھا گیا "حق" بہ بے طرح باطل

جو تھے عاقل وہ بن گئے ناداں
جو تھے ناداں وہ ہو گئے عاقل

تاب جو لا سکیں نہ موجوں کی
ڈوب جاتے ہیں وہ سر ساحل

فیضِ قندیل داغ سینہ سے
کیا غم راہ تیرہ منزل؟

موہنی! وہ ہیں سر بسر معصوم
جن کو کہتا ہے اک جہاں قاتل

غزل

حیاتِ غمِ آخر بسر ہو گئی
نہ ہوتی نہ ہوتی مگر ہو گئی

زمانے میں کیسا انقلاب آگیا
خدائی ادھر کی ادھر ہو گئی

نہ کی ہم نے کوئی خطا عمر بھر
خطا ہم سے یہ کس قدر ہو گئی!

میں آپہنچی ہر پھر کے اپنے ہی گھر
کہ آوارگی راہ بر ہو گئی

دل و جاں پہ بننے لگی بے طرح
خدا جانے کس کی نظر ہو گئی

فقط پانچ حرفوں پہ ہے مشتمل
مری "زندگی" مختصر ہو گئی

مدن لال سیٹھی میکش

مدن لال سیٹھی میکش کی پیدائش ۱۳ اپریل ۱۹۳۴ء کو سیالکوٹ (پاکستان) میں ہوئی۔ ساتویں جماعت تک تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی، تقسیم ملک کے بعد آپ ہجرت کرکے ہندوستان تشریف لائے۔ اور انبالہ میں آباد ہوگئے۔ یہیں سے آپ نے میٹرک پاس کیا اور ریلوے میں ملازمت کرلی۔ والد صاحب کا بزنس ختم ہوجانے کے باعث سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا۔ دوران ملازمت آپ نے پرائیویٹ طور ادیب فاضل اور ایم۔ اے (انگریزی، اور اُردو) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آجکل ریلوے ورکشاپ جگادری میں سپروائزر ہیں۔

شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ مگر انبالہ کی ادبی فضاؤں نے اس ذوق کو مزید تقویت پہونچائی۔ آپ نے اصلاحِ سخن کے لئے منشی تلوک چند محروم سے رشتۂ تلمذ استوار کیا۔ اور ان کی زندگی تک انھیں کے دامنِ فیض سے وابستہ رہے۔ محروم صاحب کے انتقال کے بعد آپ زار علامی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ میکش صاحب جملہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں مگر غزل ان کی محبوب صنفِ سخن ہے میکش صاحب عصری مسائل اور آج کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو موضوعِ سخن بناکر سلیقے سے پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ زمانہ کی ناقدری کی شکایت کا بھرپور اظہار درج ذیل شعر میں لائق ستائش ہے۔

دیکھے گی کوئی آنکھ نہ تعریف کرے گی ‏ ‏ ‏ ہم پھول ہیں لیکن کسی جنگل میں کھلے ہیں۔

میکش صاحب کے کلام میں تشبیہات کا استعمال متاثر کرتا ہے اور طنزیہ اندازِ بیان پرکشش ہوتا ہے۔

ایک مفلس کے لئے اس کی لیاقت یوں ہے ‏ ‏ ‏ ایک بیوہ کے لئے حُسن بلا ہو جیسے۔۔

پتہ

۵/۱۵۶ ڈی۔ اے وی گرلز کالج کے پیچھے ماڈل ٹاؤن یمنانگر انبالہ۔

میکش امبالوی

غزلیں

سے چنے دو چار تنکے جب برائے آشیاں ہم نے
چمن پر ٹوٹتی دیکھیں ہزاروں بجلیاں ہم نے

محبت کرنے والوں کی زباں ہوتی ہے خاموشی
ہمیشہ بے زبانی کو بنایا ترجماں ہم نے

بہت رد رد کے تو نے حالِ دل اپنا لکھا ہوگا
تری تحریر پر دیکھے ہیں اشکوں کے نشاں ہم نے

تری آنکھوں میں اے ہمدم ابھی سے آگئے آنسو
سنائی ہے ابھی تو نامکمل داستاں ہم نے

خیال آتے ہی جن کا آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں
دلِ برباد کی دیکھی ہیں وہ بربادیاں ہم نے

سزا مل کر رہی میکش گناہِ بے گناہی کی
زباں ہی کاٹ دی دنیا نے جب کھولی زباں ہم نے

○

ہم بھی کبھی تھے ان کی نگہ انتخاب میں
اپنا بھی نام تھا کبھی ان کی کتاب میں

پینے کے بعد کیا کہوں، کیا فیصلہ کروں
مستی تری نگاہ میں ہے یا شراب میں

پردہ ہی بن نہ جائے کہیں منظر جمال
رکھئے نہ آپ پھول سا چہرہ نقاب میں

کس کس ادا کے ساتھ تبسم فشاں ہے تو
سمٹا ہوا وجود ہو، جیسے گلاب میں

جیسے کسی کو مجھ سے کوئی واسطہ نہ ہو
تنہا کچھ اس قدر ہوں، جہان خراب میں

ان سے ملی نگاہ تو احساس یہ ہوا
جیسے کوئی حسین سا منظر ہو خواب میں

بیکش یہ میری پیاس تو صحرا کی پیاس ہے
اب تک بھٹک رہا ہوں وفا کے سراب میں

○

ابتدا ہر داستانِ عشق کی مجھ سے ہوئی
اور ہر اک داستاں کی انتہا، میں ہی تو تھا

میں نے مر مر کر سنوارے حسن کے نقش و نگار
میں کمالِ عشق تھا، ہاں معجزہ میں ہی تو تھا

تیری قربت میں بھی تھا محروم تیری ذات سے
اور تنہائی میں جلوے دیکھتا میں ہی تو تھا

میں سمجھتا تھا تجھی کو مدعائے زندگی
بے نیازِ آرزوئے مدعا، میں ہی تو تھا

میرے حصے میں رہے ہیں آج تک دار و صلیب
جو فرازِ دار پر تھا حق نوا، میں ہی تو تھا

اجنبی سمجھا جسے تو نے دیارِ عشق میں
وہ محبت آشنا، وہ سر پھرا میں ہی تو تھا

مجھ خطا وارِ محبت کو سزا ملکر رہی
ورنہ ہر پہلو سے میکش بے خطا میں ہی تو تھا

فضا گلزارِ دنیا کی نہ مجھ کو سازگار آئی
ہمیشہ غم ہی میرے لئے لیکر بہار آئی

اب اس عالم میں غنچے آرزوؤں کے کھلیں کیونکر
جوانی خوبصورت وقت صحرا میں گذار آئی

میں تجھ سے کیا کروں شکوہ، مقدر اپنا اپنا ہے
ترے حصّے میں جیت آئی مرے حصّے میں ہار آئی

فضا شاداب ہے، موسم دل فزا، رنگین نظّارے
تمہاری یاد اس ماحول میں بے اختیار آئی

کبھی آئی تمہاری یاد بھی آزارِ جاں بن کر
کبھی بن کر تمہاری یاد میری غمگسار آئی

○

تجھ کو قسم ہے پیار کی ناحق خفا نہ ہو
اپنا بنا لیا ہے تو مجھ سے جدا نہ ہو

ملتے تو ہیں وہ روز مگر اس ادا کے ساتھ
جیسے کہ ان کو مجھ سے کوئی واسطہ نہ ہو

میری طرح اسے بھی کسی کی تلاش تھی
وہ بھی غموں کی بھیڑ میں کھویا گیا نہ ہو

اب اس کی خیریت کا پتہ کس طرح چلے
جب شہر میں کسی کو کسی کا پتہ نہ ہو

وہ کب ملے گا مجھ کو، ملے گا وہ کب مجھے
میری طرح سے وہ بھی یہی سوچتا نہ ہو

میکش فقیر عشق ہے میکش وفا پرست
تجھ کو گلی گلی وہ کہیں ڈھونڈتا نہ ہو

روشن لال ناز لائلپوری

روشن لال ناز ۱۲؍ستمبر ۱۹۴۳ء کو لائلپور (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے۔ اور سونی پت میں آباد ہو گئے۔ آپ نے سول انجینئرنگ کا ڈپلوما کیا۔ کچھ مدت تک سرکاری ملازمت میں بھی رہے۔ اور بعد ازاں تجارت سے منسلک ہو گئے۔ آپ کو شعر گوئی کا شوق دورانِ تعلیم پیدا ہوا۔ ابتدا میں آپ نے حضرت ساحر سیالکوٹی سے اصلاح سخن لی۔ ان کے انتقال کے بعد آپ حضرت رئیس نیازی کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو گئے۔ ناز صاحب جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ مگر غزل گوئی کی طرف رجحان زیادہ ہے۔ آپ دبستانِ جوشؔ ملسیانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ زبان و بیان میں سلاست اور صفائی ہے۔ آجکل آپ غزلیات کا مجموعہ "ناز و نیاز" ترتیب دے رہے ہیں "تذکرہ شعراء ہریانہ" (مرتب ڈاکٹر رانا ناگپوری) "بزم" (مرتب خموش سرحدی) "محفلِ سخن" (مرتب ڈاکٹر جاوید وششٹ) "لہریں اور سفینہ" (مرتب ڈاکٹر بیتاب علی پوری) میں ان کا ذکر شامل ہے۔

آپ سونی پت کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آجکل آپ "ادبی سنگم" ہریانہ رجسٹرڈ کے آرگنائزنگ سکریٹری اور مقامی اردو تعلیمی اداروں کے نگراں ہیں۔ ریڈیو، اخبارات اور رسالوں میں ان کا کلام چھپتا ہے اور نشر ہوتا ہے۔

مستقل پتہ۔

۱۷۴ کرشن پورہ۔ سونی پت

غزلیں

میری کب ان سے ملاقات نہیں ہوتی ہے
ہاں، مگر پرسشِ حالات نہیں ہوتی ہے

میں تو اس بات پہ کچھ اور الجھ جاتا ہوں
جو ذرا کاشفِ حالات نہیں ہوتی ہے

رات دن میرے خیالوں میں بسے رہتے ہو
پھر بھی شکوہ ہے ملاقات نہیں ہوتی ہے

وہ کرم مجھ پہ جو کر دیں تو نوازش ان کی ہے
عرضِ غم کی کوئی اوقات نہیں ہوتی ہے

نازؔ کب لطف و کرم سے تیرے محروم ہوا
اس پہ کب یورشِ آفات نہیں ہوتی ہے
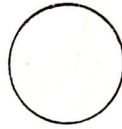
اوروں کی بات چھوڑئیے کس کو ہے کیا پسند
ان کو جفا پسند ہے مجھکو وفا پسند

اب کس زباں سے حال دل بے نوا کہوں
آتی نہیں ہے ان کو میری التجا پسند

یہ آج تک تو اپنی سمجھ میں نہ آسکا
کیا کیا ہمیں پسند ہے اور کیا ہے ناپسند

جس میں ہر ایک گام پہ دشواریاں نہ ہوں
مجھکو نہیں ہے ایسا کوئی راستہ پسند

جو انسان زندگی میں فرض سے غافل نہیں ہوتا
اسے کچھ بھی تو فکر حال و مستقبل نہیں ہوتا

تمنائے وصالِ یار لاحاصل سہی لیکن
عقیدت کیش سجدہ سعیٔ لاحاصل نہیں ہوتا

ہم احساسات کے ہاتھوں میں مرتے اور جیتے ہیں
کوئی محبوب اپنی ذات سے قاتل نہیں ہوتا

ہم ان آسانیوں کے ہی تصور سے پریشاں ہیں
وگرنہ کوئی مشکل کام بھی مشکل نہیں ہوتا

تمنا بحرِ الفت میں ہے کیوں اے ناز ساحل کی
سفینہ عشق کا منت کشِ ساحل نہیں ہوتا
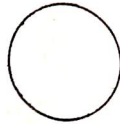
دوسروں کیلئے کچھ کہنے سے پہلے اے دوست
لازم آتا ہے تجھے ہاتھ کو دل پر رکھنا

ہم زمانے میں مساوات کے پیغمبر ہیں
سیکھ لے ہم سے کوئی سب کو برابر رکھنا

یہ بھڑک جائے تو دنیا کو جلا سکتی ہے
آگ پھر آگ ہے لازم ہے دبا کر رکھنا

تیرگی بخت کی تنویر بھی بن سکتی ہے
اپنی پلکوں پہ ستاروں کو سنور رکھنا

جوہری بن کہ ہو بازار میں قیمت تیری
سیکھ ہیروں میں تراشے ہوئے پتھر رکھنا

عصرِ حاضر کا یہ ماحول نہ راس آئے گا
نازؔ اب اپنا قدم گھر سے نہ باہر رکھنا

سید ولاء الحسنین نقوی ولاؔ

سید ولاء الحسنین نقوی ولاؔ کا تعلق سرزمین مصحفی امروہہ ضلع مرادآباد کے بلند مرتبہ خانوادے سے ہے آپ کا سلسلۂ نسب شاہ ولایت حضرت مخدوم سید حسین شرف الدینؒ کی ۱۶ ویں پشت اور سلسلۂ امامت کی کی دسویں کڑی حضرت امام علی نقی کی ۳۲ ویں پشت پر منتہی ہے۔ اسی رعایت سے آپ نقوی لکھتے ہیں۔ ولاؔ صاحب کی پیدائش ۱۵ فروری ۱۹۴۲ء کو امروہہ (مرادآباد) میں ہوئی۔ ان کے والد محترم سید سجاد الحسنین ضلع کے مشہور وکیل اور میونسپل بورڈ امروہہ کے چیرمین تھے۔ ولاؔ صاحب نے ابتدائی تعلیم امام المدارس انٹر کالج میں حاصل کی۔ میٹرک کرنے کے بعد آپ علی گڈھ چلے گئے۔ اور مسلم یونیورسٹی سے بی۔ ایس۔ سی انجینرنگ (الیکٹریکل) کیا۔ اور ملازمت سے وابستہ ہوگئے۔ آجکل آپ گورنمنٹ آف انڈ کے سینٹرل الیکٹرسٹی اتھارٹی میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔

ولاؔ صاحب کو شاعری کا شوق دوران تعلیم پیدا ہوا ۱۹۶۶ء میں آپ فریدآباد (ہریانہ) میں آ گئے۔ اور مستقل سکونت اختیار کی۔ فریدآباد کی ادبی فضاؤں نے اس ذوق کو تقویت پہونچائی۔ اور باقاعدہ شاعری کرنے لگے۔ آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔ فریدآباد کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آپ ادبی سنگم رجسٹرڈ فریدآباد کے جنرل سکریٹری بھی رہے۔ اور اس کے بانیان میں شامل ہیں۔ ہریانہ اردو اکادمی کی "محفل سخن" مرتب (ڈاکٹر جاوید وششٹ) میں آپ کا ذکر شامل ہے۔

پتہ

۴/۱۰۱۷ این۔ ایچ ۴ فریدآباد

غزل

کوئی تو آتشِ نمرود بجھا دے آ کر
وقت کی ڈوبتی نبضوں کو چلا دے آ کر

میرا ماضی ابھی دم بھر میں پلٹ آئے گا
میرا ہمدم جو ذرا مجھ کو صدا دے آ کر

ولولے پھر سے اسی طرح ابھر آئیں گے
بجھتے شعلوں کو ولاؔ وہ جو ہوا دے آ کر

غزل

کام جو کرنا تھے ہم نے کر لیے
کتنے ہی الزام اپنے سر لیے

شہر اپنا اجنبی لگنے لگا
کس طرف اب جائیں اپنا گھر لیے

وقت کی تبدیلیاں تو دیکھئے
پھر رہا ہے ہر کوئی پتھر لیے

عزم و ہمت نے پلٹ کر رکھ دیا
مشکلیں آئی تو تھیں لشکر لیے

ساری خوشیاں بانٹ دیں احباب میں
سارے غم دامن میں اپنے بھر لئے

غزل

نکہتِ گل چمن کی بات کریں
اہلِ دل سے وطن کی بات کریں

داستاں چھیڑیں جاں نثاروں کی
آؤ دار و رسن کی بات کریں

اپنا گلشن سنوارنے کے لیے
عزم، محنت، جتن کی بات کریں

سرفروشوں کو کیا یہ زیبا ہے
خوفِ چرخِ کہن کی بات کریں

چاک کردیں لباسِ بوسیدہ
اب نئے پیرہن کی بات کریں

اپنا ایمان اپنا دل ہے ولاؔ
کیوں نہ اپنے وطن کی بات کریں

بی ڈی کالیہ ہمدم

بی ڈی کالیہ ہمدمؔ ۶ر ستمبر ۱۹۳۸ء کو شری ملکھراج کالیہ کے یہاں ترنتارن ضلع امرتسر (پنجاب) میں تولد ہوئے۔ ہمدمؔ صاحب نے بی۔ایس۔سی اور بی ٹی کی ڈگریاں حاصل کیں اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ ان دنوں آپ نیلوکھیڑی کے ٹریننگ سینٹر میں پرنسپل ہیں۔

ہمدمؔ صاحب کو شعر گوئی کا ذوق زمانۂ طالبِ علمی میں پیدا ہوا۔ اور تبھی سے زلفِ عروسِ فن کو سنوارنے بہں انہماک سے لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی محبوب صنفِ سخن غزل ہے۔ ہمدمؔ صاحب عصری مسائل کا اظہار خوبصورت پیرائے میں کرتے ہیں۔ کلام میں سلاست اور پختگی پائی جاتی ہے۔ آپ حضرت زارؔ علامی کے شاگرد ہیں۔

ہمدمؔ صاحب شعر گوئی کے ساتھ نثری مضامین بھی لکھتے ہیں۔ آپ کا ایک ناول "کس نام سے پکاروں" ہریانہ ساہتیہ اکادمی کے مالی اشتراک سے شائع ہو چکا ہے۔ جس پر اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ سے انعام بھی ملا ہے۔ ہمدمؔ صاحب اُردو کے فروغ میں دامے، درمے، سخنے، اپنے فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔

پتہ

پرنسپل اسٹیٹ کمپونٹی ڈوِیلپمنٹ ٹریننگ سینٹر نیلوکھیڑی ضلع کرنال۔

بی۔ ڈی کالیہ ہمدم

غزلیں

صحرا میں بہاروں کی پھبن ڈھونڈ رہا ہے
یہ کون بیاباں میں چمن ڈھونڈ رہا ہے

تہذیب کی تکفین کو یہ آج کا انساں
بازار سیاست میں کفن ڈھونڈ رہا ہے

بیگانۂ فن آج کا یہ شاعر مفلس
بے ربطئ الفاظ میں فن ڈھونڈ رہا ہے

پہلے سے وہ فن کار نہ پہلے سے سخنور
محفل میں تو کیوں حسن سخن ڈھونڈ رہا ہے

نادان ہے کانٹوں سے جو نظروں کو بچا کر
پھولوں میں محبت کا چبھن ڈھونڈ رہا ہے

تحقیق کی راہوں میں بھٹکتا ہوا لمحہ
بیتی ہوئی صدیوں کا چلن ڈھونڈ رہا ہے

محتاط وہ کتنا ہے رہ عشق میں ہمدم
الفت کی جبیں پر جو شکن ڈھونڈ رہا ہے

O

آئے بھی اور نظر ہم سے چرا کر نکلے
مہرباں ہو کے وہ کس درجہ ستمگر نکلے

یہ الگ بات کہ دنیا کو خبر تک نہ ہوئی
قافلے درد کے دل سے تو برابر نکلے

کس کے جلوؤں سے بنا صحنِ چمن رشکِ ارم
پھول تو پھول تھے کانٹے بھی معطر نکلے

لے کر آئے تھے تیری بزم میں کیا کیا ارماں
لے کے حسرت ہی تیری بزم سے اکثر نکلے

مُدّعا کیا ہے کوئی سمجھے تو سمجھے کیونکر
لاکھوں مفہوم تیری بات کے اندر نکلے

ہم سمجھتے تھے نہ ٹھہریں گے مقابل لیکن
حوصلے دل کے حوادث سے بھی بڑھ کر نکلے

آپ نے سمجھا جنہیں لطف و کرم کے قابل
ہاں، وہی لوگ مقدر کے سکندر نکلے

○

ستم خوب ڈھائے ہیں جس کی ادا نے
کیا اس کو مشہور میری وفا نے

شگوفوں کے رخ پر تو افسردگی تھی
انہیں تازگی دی ہے کس کی ضیا نے

گلوں کے حسیں رخ سے گھونگھٹ اٹھا کر
سجایا گلستاں کو بادِ صبا نے

محبت کی تصویر کو دلکشی دی
ہماری وفا نے تمہاری جفا نے

بچا کر سفینے کو طوفان سے ہمدم
ڈبویا ہے ساحل پہ کیوں ناخدا نے

○

شوق سے گرم سفر ہو جایئے
آپ اپنے راہبر ہو جایئے

زندگی کا لطف اٹھانے کے لئے
زندگی سے بے خبر ہو جایئے

ڈس رہی ہیں بے طرح تنہائیاں
آپ میرے ہمسفر ہو جایئے

منزلِ عرفاں کو پانا ہے اگر
عشق میں شوریدہ سر ہو جایئے

کامیابِ شوق ہونے کے لئے
گردشِ شام سحر ہو جایئے

آپ کے زیرِ قدم ہے فصلِ گل
دو گھڑی میرے بھی گھر ہو جایئے

آج ہمدم کا نہیں ہمدم کوئی
آپ ہی اب چارہ گر ہو جایئے

باب سوم

بہ اعتبار حروف تہجی
۴۰ برس سے کم عمر کے شعراء

قوسِ قزح
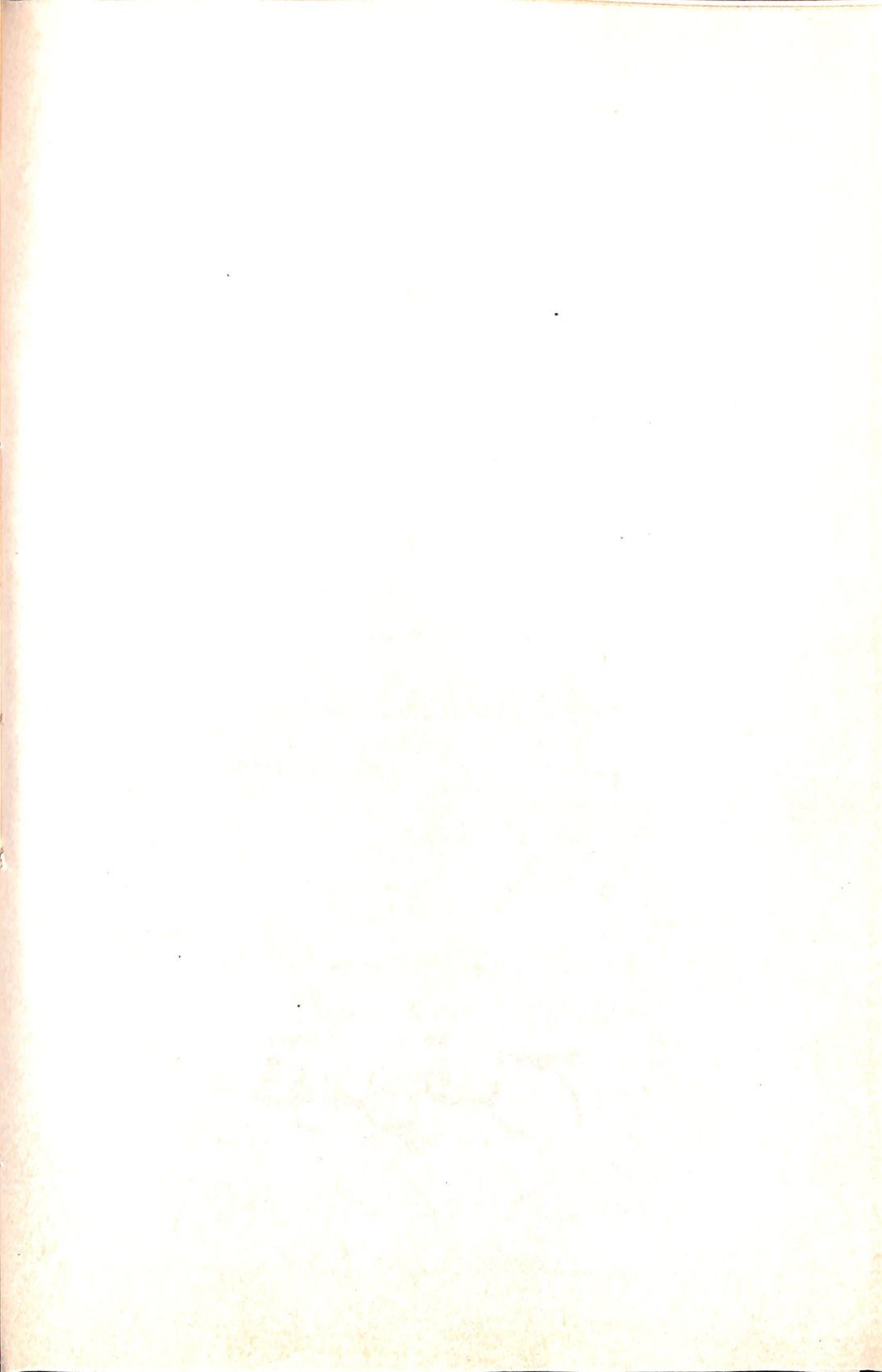
محمد سلطان انجم

محمد سلطان نام، تخلص انجم ۵ جنوری ۱۹۵۷ء کو مالیر کوٹلہ ضلع پنجاب کے ایک علمی گھرانے میں تولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی۔ مالیر کوٹلہ کا شعری ماحول ان کی طبیعت کو راس آیا اور شعر کہنے کی رغبت اوائل عمری ہی میں پیدا ہوئی۔ آپ نے اردو فارسی میں ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور اب پنجاب یونیورسٹی سے "پریم وار برٹنی حیات اور ادبی خدمات" کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ شعر بھی کہتے ہیں اور نثر نگار بھی ہیں۔ "آرزوں کے سراب" (شعری مجموعہ) اور "ڈوبتے منظر کا سفر" (افسانوی مجموعہ) ترتیب دے چکے ہیں۔ کئی برس سے ریاست ہریانہ کے سرکاری ماہنامے "تعمیر ہریانہ" کے مدیر ہیں۔

انجم صاحب ایک خوش خیال شاعر ہیں۔ سماج کی خرابیوں پر تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ کلام میں جہاں داخلیت کا جوہر موجود ہے، وہاں آج کی زندگی کے مشاہدے کی ترجمانی بھی ہے۔ زبان سادہ وسلیس ہے۔

پتہ:- ۱۸۹-۱۹۱ سیکٹر ۱۷ اسی۔ چنڈی گڑھ ۱۶۰۰۱۷

سلطان انجم

غزلیں

سب کچھ ہمیں پتہ ہے بظاہر ہوں بے خبر
ہیں اس کے آگے ہیچ زمانے کے سب ہنر

خوشیاں ہوا کا جھونکا تھیں، آ کے نکل گئیں
بنجارے بن کے گھوم لئے ہم نگر نگر

کب تک اٹھاتے ناز اسے دربدر کیا
سب کی نظر میں خار تھی وہ شاخ بے ثمر

ان کے کسی سخن پہ نہیں اعتبار اب
جن کی ہر ایک بات رہی حرفِ معتبر

انجم ہر ایک شہر میں یہ ہو رہا ہے کیا
کوچے ہیں بے چراغ، نہیں چاند بام پر

وصل رُت کا نقش اسی پر بھی ہویدا کر دیا
آئینہ معصوم نکلا، راز افشا کر دیا

کب کسی منزل پہ پہنچائے گی ہم کو کیا خبر
وقت کی گردش نے ہر آثار دھندلا کر دیا

کون کہتا تھا زمیں پر سورگ کو لے آئیں گے
اک فریبِ آرزو تھا، سب کو رسوا کر دیا

رات بھر بے کل سمندر میرے لب چھوتا رہا
اک ادھورے خواب نے پھر مجھکو پیاسا کر دیا

کس لیے اوڑھی ہے انجم ساعت بیچارگی
ساعت بے چارگی نے تجھکو تنہا کر دیا

تجھ سے دوری کے صلے میں جو غزل شامل ہوئی
دشتِ غربت میں مہکتے پیڑ کا آنچل ہوئی

دستکیں دیتی ہے ہر در پر کسی کی ٹوہ میں
یہ ہوا بھی آج اپنی ہی طرح پاگل ہوئی

شہرِ بے سایہ میں اس کا توڑ کس کے پاس ہے
جس طرف نکلے، اک آندھی راہ میں حائل ہوئی

رت کے بہکاوے سے وہ خود کو بچا پاتی کہاں
ان بہاروں میں لچکتی شاخ پھر حائل ہوئی

آپ تو انجمؔ فصیلِ جسم کو تکتے نہ تھے
کب سے یہ آوارگی معمول میں شامل ہوئی

آفتاب چہرے کی دھوپ جب نظر آئے
ہم ٹھٹھرتے پیڑوں کا روپ بھی نکھر آئے

کیسا ہم سفر ہوگا جس کی اک عنایت سے
راہ سے جو بھٹکے تھے، کھوئے کھوئے گھر آئے

تجھ کو رام کرنا ہے پل صراط پر چلنا
جن میں اتنی ہمت تھی، بے خطر گذر آئے

تو کہ زینتِ خانہ، رونق شبستاں تھا
تیرے بعد سناٹے صحن میں اتر آئے

شہر بے مروت میں چارسُو صلیبیں تھیں
آپ کس طرح انجمؔ، دار سے اتر آئے

نریش کمار درد

نریش کمار نام درد تخلص ۸ر دسمبر ۱۹۵۹ء کو محلہ شہید سونی پت (ہریانہ) میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد آپ نے میٹرک پاس کیا اور تجارت سے وابستہ ہو گئے آج کل آپ کشیدہ کاری کی ایکسپورٹ کا کام کر رہے ہیں۔ دوران تعلیم ہی شاعری کا شوق ہوا۔ اور شعر گوئی شروع کر دی۔ آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۸۴ء میں "اشلوک چکر" سونی پت میں شائع ہوئی۔ درد صاحب کے کلام میں جذبات کے اظہار میں کشادگی پائی جاتی ہے۔ زبان سلیس ہے۔ الفاظ کے برتنے کا سلیقہ ہے۔ یہ سب عناصر ان کی شاعری کے خوشگوار مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ آپ ناز لائلپوری سے اور رئیس نیازی سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔

درد صاحب سونی پت کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ سونی پت کی انجمن" ادبی سنگم ہریانہ" رجسٹرڈ کے آپ ایک اہم رکن ہے اور اردو کے فروغ میں کوشاں رہتے ہیں۔

پتہ

مکان نمبر ۹۶ محلہ شہید، سونی پت

غزل

ساتھ ان کے جو دن گذارے ہیں
زندگی کے وہی سہارے ہیں

ان کی ہر بات اچھی لگتی ہے
سوچتا ہوں وہ کتنے پیارے ہیں

دیکھ کر ان کو یہ ہوا محسوس
ہیچ دنیا کے سب نظارے ہیں

کوئی ایک پل بھی جی نہیں سکتا
جس طرح میں نے دن گذارے ہیں

یہ کوئی وہم ہے گماں کہ یقیں
تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں

تم ہمارے بنو، بنو نہ بنو
ہم تو ہر حال میں تمہارے ہیں

وقت پڑنے پہ درد اپنے بھی
آج دشمن ہوئے ہمارے ہیں

غزل

اب کے قفس میں آکے بھی دل کو قرار ہے
کیا انقلابِ عالم ناپائیدار ہے

منکر ذرا تو دیدہ بینا سے کام لے
ہر شے سے کائنات کی وہ آشکار ہے

پیغام لے کے آئی ہے بادِ صبا یہ کیا
سمجھی ہوئی چمن میں جو فصلِ بہار ہے

مقبولیت ضرور ملے گی دعاؤں کو
مجھکو یقینِ رحمتِ پروردگار ہے

اب کس زباں سے شکوہ کروگے جنابِ درد
تم سے جفائیں کر کے وہ خود شرمسار ہے

غزل

ان کا وعدہ وفا نہیں ہوتا
مجھکو پھر بھی گلہ نہیں ہوتا

وہ زمانے میں کیا نہیں کرتے
جن کو خوفِ خدا نہیں ہوتا

اپنی قسمت میں خار تھے ورنہ
صحنِ گلشن میں کیا نہیں ہوتا

غرقِ ساحل ہوئے سفینے کیوں
کیا خدا ناخدا نہیں ہوتا

دردؔ تو مفت ہو گیا بدنام
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

غزل

امیدوارِ لطف نہیں ہیں کسی سے ہم
مایوس اس لیے بھی نہیں زندگی سے ہم

دل خون ہو رہا ہے مگر اس کے باوجود
ہنس ہنس کے بات کرتے ہیں ہر آدمی سے ہم

کوئی ہماری بات کا مانے گا کیوں برا
ہر بات سب سے کہتے ہیں جب سادگی سے ہم

وہ اب ہمارے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں دردؔ
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں کہیں اس خوشی سے ہم

عبدالصمد خاں شمس تبریزی.

عبدالصمد خاں شمس تبریزی کا تعلق اٹاوہ کے ایک باوقار خاندان سے ہے ان کے والد جناب عبدالقیوم صاحب کا شمار سماجی شخصیتوں میں ہوتا ہے آپ کی تاریخ ولادت ۲۲ ستمبر، ۱۹۵۷ء ہے شمس صاحب کا شمار نئی نسل کے ممتاز شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اٹاوہ میں حاصل کی بعد ازاں آگرہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے سیاسیات کی ڈگری حاصل کی۔ پھر دہلی آکر جامعہ ملیہ اسلامیہ سے اردو میں ایم۔ اے کیا۔ اور دہلی یونیورسٹی سے حیات اللہ انصاری کے ناول "گھروندہ" پر ایم فل کی سند حاصل کی۔ اور دہلی یونیورسٹی سے ہی اردو ادب پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ تحریر کر رہے ہیں۔

آپ کی ادبی زندگی کا آغاز طالب علمی کے زمانے سے ہوا۔ پہلی تخلیق "خاکہ" کالج میگزین میں شائع ہوئی۔ کچھ مدت تک آپ روزنامہ "قومی آواز" دہلی سے بطور کالم نگار اور آل انڈیا ریڈیو دہلی سے بطور اناؤنسر وابستہ رہے۔ ۱۹۷۵ء میں آپ اسلامیہ کالج اٹاوہ سے عمدہ مضمون نگاری پر "نثار حسین" سلور میڈل اور ۱۹۸۳ء میں دہلی یونیورسٹی سے عمدہ مضمون نگاری پر "ہریش چند کٹھپالیہ" گولڈ میڈل حاصل کر چکے ہیں۔ آپ نے پروفیسر عنوان چشتی سے تلمذ حاصل کیا ہے اور نعت، سلام، قطعہ، غزل جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ ان کا کلام جدیدحسیت کا ترجمان اور عصری آگہی کے شعور سے مملو ہوتا ہے۔ انداز بیان میں تازگی پائی جاتی ہے۔

آپ۔ بزم ادب اٹاوہ اور دہلی کی ادبی تنظیموں "قلم زاد" "شناخت"، "ادب نواز" اور "انجمن" وغیرہ سے بطور عہدے دار منسلک ہیں۔ آج کل آپ ہریانہ اردو اکادمی میں پروگرام اسسٹنٹ ہیں۔

پتہ

سیکٹر ۹ پنچکولہ

شمس تبریزی

اپنا گھر بھی کوئی آسیب کا گھر لگتا ہے
بند دروازہ جو کھل جائے تو ڈر لگتا ہے

بعد مدت کے ملاقات ہوئی ہے اس سے
فرق اتنا ہے کہ اب اہل نظر لگتا ہے

اس زمانے میں بھی کچھ لوگ ہیں فن کے استاد
کام کوئی بھی کریں دستِ ہنر لگتا ہے

جس نے جی چاہا اسے لوٹ کے پامال کیا
اپنا دل بھی ہمیں دلّی سا نگر لگتا ہے

اپنی کچھ بات ہے احباب ہیں ورنہ اے شمس
سب دھواں ہے وہ جہاں کوئی شجر لگتا ہے

جو چاہتے ہو کہ منزل تمہاری جادہ ہو
تو اپنا ذہن بھی اس کے لیے کشادہ ہو

وہ یاد آئے تو اپنا وجود ہی نہ ملے
نہ یاد آئے تو مجھ کو تھکن زیادہ ہو

پہاڑ کاٹ دوں سورج کو ہاتھ پر رکھ لوں
ذرا خیال میں شامل اگر ارادہ ہو

سمجھ سکو جو زمانے کے تم نشیب و فراز
تو اپنے عہد کے بچوں سے استفادہ ہو

یہ سوچتا ہوں وہ جب دم مری تلاش کرے
حقیقتوں کا مرے جسم پر لبادہ ہو

ہے جستجو مجھے اک ایسے شخص کی یارو
جو خوش مزاج بھی ہو اور دل کا سادہ ہو

سیدھی سی بات ہے جو مجھے جانتا نہیں
میں بھی سپھرا ایسے شخص کو پہچانتا نہیں

پہلے وہ خود سری تھی کہ سنتا نہیں تھا میں
اب کچھ دنوں سے کچھ بھی برا مانتا نہیں

قاتل اگر ہے وہ تو کوئی بات بھی تو ہے
یوں خون میں لباس کوئی سانتا نہیں

سب خوبصورتی کے جھروکوں میں ہیں مگر
سیرت کو صورتوں سے کوئی چھانتا نہیں

کھل جائیں جن سے پاؤں کبھی سر وہ چادریں
رب کو بھی علم ہے میں کبھی تانتا نہیں

ہمارے غم کا جو تجھ تک اثر گیا ہوتا
خدا گواہ ہے چہرہ اتر گیا ہوتا

اگر ذرا بھی زمانہ شناس ہوتا میں
مجھے یقین ہے میں بھی نکھر گیا ہوتا

عجیب قسم کی ابھری تھی شکل لفظوں سے
کتاب بند نہ کرتا تو ڈر گیا ہوتا

یہ سوچتا ہوں کہ تجھ تک رسائی کی خاطر
گرا تھا جب میں فلک سے بکھر گیا ہوتا

یہ آرزو تھی کوئی ہوتا منتظر میرا
تو شام ہوتے ہی دفتر سے گھر گیا ہوتا

ناشر نقوی

اصل نام ۔ ناشر حسین ۔ خاندانی اعتبار سے سید ۔ سلسلۂ نسب کے تعلق سے نقوی سندی نام اور عرفیت کے امتزاج سے ناشر نقوی ۔ ۱۵ ر جولائی ۱۹۵۶ء کو ضلع مراد آباد کے مشہور روحانی شہر امروہہ میں پیدا ہوئے ۔ ان کے مورث اعلیٰ سید حسین شرف الدین شاہ ولایتؒ جو پیغام لیکر ۸۰۰ برس پہلے عرب سے ہندوستان آئے تھے ناشر نقوی اسی پیغام امن و سلامتی کو اپنے ذکر و فکر سے آگے بڑھانے میں منہمک ہیں قلم اور تخلیق ان کا آبائی ورثہ ہے ان کے والد سید ناظر حسین ناظر امروہوی امروہہ کی ممتاز شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے صحافی بھی تھے اور شاعر بھی ۔ ناشر نقوی کے دادا علامہ منور حسین منور کئی علمی کتابوں کے مصنف تھے ۔ ننہال میں ظہور امروہوی مرحوم خوش فکر شاعر تھے دوسرے ماموں غیور نقوی پاکستان کے ممتاز صحافیوں میں شمار ہوتے ہیں ۔

ناشر نقوی کو شاعری اور صحافت ورثے میں ملی ہے ۱۹۷۲ء سے باقاعدہ شعر کہہ رہے ہیں ۔ ہریانہ سے آپ کا قلبی تعلق ہے ۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۲ء تک اور ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۶ء تک آپ نے بھوانی میں بھی تعلیمی دور گزارا ۔ امروہہ کے امام المدارس انٹر کالج میں ان کے شعور کی پرورش ہوئی ۔ روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے آپ نے ایم اے اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی سے ریڈیو ٹی وی اور جرنلزم (ماس میڈیا) میں ڈپلوما کیا ۔ علی گڑھ اردو بورڈ سے دبیر ادب اور دبیر قابل کی اسناد بھی حاصل کیں ۔ روزگاری معاملات میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی اور دہلی یونیورسٹی میں بھی کچھ کچھ وقت گزارے آجکل آپ ہریانہ اردو اکادمی سے بحیثیت ایڈیٹر منسلک ہیں ۔

اب تک آپ ۵ کتابیں تصنیف کر چکے ہیں جنہیں "آفاقیت" اور "لالہ زار صبح" پر اردو اکادمی دہلی ایوارڈ بھی دے چکی ہے ۔ آپ ایک مقبول شاعر ہونے کے ساتھ نثر نگار بھی ہیں ۔ ادبی ورثہ انہیں اپنے استاد شاعر ہندوستان حضرت مہدی نظمی سے ملا ہے ۔ آپ فن تاریخ گوئی میں بھی مہارت رکھتے ہیں ۔ موجودہ عہد کے مرثیہ نگاروں میں انہیں اہم مقام حاصل ہے ۔

مستقل پتہ :۔ دربار کلاں امروہہ ۔ یوپی ۔

موجودہ پتہ :۔ ہریانہ اردو اکادمی ۹/۸۷۸ پنچکولہ (ہریانہ)

ناشر نقوی

غزل

○

چہروں کے خدوخال کا منظر نہیں دیکھا
تم نے کبھی آئینوں کے اندر نہیں دیکھا

اے دستِ طلب سر نہ انا کا کہیں جھک جائے
میں نے کبھی زرداروں کو مڑ کر نہیں دیکھا

بے تعلقی میں بھی تعلق کا ہے پہلو
کیوں جاتے ہو اس نے مکرّر نہیں دیکھا

پانی کے ترنم میں تو مسحور ہیں سب لوگ
گرتے ہوئے جھرنے کو سمجھ کر نہیں دیکھا

کس طرح سے قاتل کہوں تہمت رکھوں ان پر
جن ہاتھوں میں میں نے کبھی خنجر نہیں دیکھا

معصوم تبسم نے ترے توڑے ہیں پیکاں
تجھ جیسا مجاہد علی اصغرؑ نہیں دیکھا

ششدر رہیں سب بزرگ کہ سنجیدہ ہو گئے
ہم بچپنے کی حد میں جہاں دیدہ ہو گئے

یہ کس نے آکے چھیڑ دیا ذکرِ رفتگاں
کاغذ تمام یادوں کے نم دیدہ ہو گئے

ہم راہِ راست جن کے لیے عمر بھر چلے
وہ مسئلے تو اور بھی پیچیدہ ہو گئے

خود اپنے گھر کے لہجے سے رشتہ نہیں رہا
شہروں کی گفتگو کے جو گرویدہ ہو گئے

بے کار و بار بیٹھے ہیں لفظوں کے ماہرین
سارے ورق کتابوں کے بوسیدہ ہو گئے

ناشرؔ خوشی و رنج کی قدریں بدل گئیں
اب قہقہہ مزاج بھی سنجیدہ ہو گئے

عکسِ مرثیہ

○

وقت مدد ہے اے پسر شاہ قلعہ گیر
دام متاع و زر میں گرفتار ہیں ضمیر
افکار نو نے کر دیا انسان کو فقیر
پھر زندگی ہے نرغۂ افلاس میں اسیر

احساس بے چراغ نے گھیر لیا ہے اے حسین
پھر دور تک عمیق اندھیرا ہے اے حسین

○

مطلب پرستیوں میں ہے دنیائے رنگ و بو
دامانِ دیں کو آج ہے پھر حاجت رفو
قرآں شکستہ جسم ہے ایماں لہو لہو
خطرے میں پھر ہے دین پیمبر کی آبرو

اب سن بھی لے یہ درد میں ڈوبی صدا حسین
پھر عصرِ نو پکار رہا ہے کہ یا حسین

خود اپنے حال زار پہ روئے ہوئے ہیں ہم
دامانِ زندگی کو بھگوئے ہوئے ہیں ہم
غفلت کے اک جمود میں کھوئے ہوئے ہیں ہم
آنکھیں تو کھل گئیں ہیں پہ سوئے ہوئے ہیں ہم

دنیا کو پھر طراوتِ موجِ فرات دے
دینِ رسول پیاسا ہے آبِ حیات دے

کہنہ روایتوں میں گھرا ہے نیا نظام
دنیا کا اب بھی درہم و برہم ہے انتظام
ہمتِ عمل کی بخش دے اے تشنہ لب امام
باقی ابھی ہے اور ترے خوں کا انتقام

کوئی رفیق عابدِ بیمار بھیج دے
تلوار دے کے ہاتھ میں مختار بھیج دے

قصیدہ کا نیا طرز

ثنائے وصف حیدری بنام دین داوری
زباں زدِ پیمبری علی علی علی علی
علی امینِ مرتبت
علی منارِ وصفیت
علی وقارِ فوقیت
علی ضمیرِ حریت
علی خدا کی سلطنت
علی علی ہمہ جہت
علی کا نام بندگی علی علی علی علی
خدا کے دیں کا نگہباں
نقیب ربِ دو جہاں
رسولِ حق کا راز داں
اماںتوں کا پاسباں
شجاعتوں میں کامراں
علی امیرِ کارواں
وہ افتخارِ خسروی علی علی علی علی

شعورِ عظمتِ خودی
چراغِ علم و آگہی
وہ عندلیبِ بندگی
فضیلتوں کی روشنی
مزاج دانِ داوری
قدم قدم پہ رہبری
علی کا نام زندگی   علی علی علی علی

سبیلِ خوشبوئے چمن
حمیدِ ربِ ذوالمنن
کتابِ حق میں ضوفگن
نبی کے وصف کی پھبن
خطاب اس کا بوالحسن
علی کی ذات انجمن
چمن چمن کلی کلی   علی علی علی علی

کرم میں فضلِ عارفیں
حرم میں کعبہ یقیں
نبی کا تاجِ زرنگیں
وصی ختمِ مرسلیں
متاعِ آیۂ مبیں
مفسرِ کتابِ دیں
معارفِ قلندری   علی علی علی علی

کماری برج شرما نرگس

کماری برج شرما نرگس خاموش کی پیدائش ۱۴ر مئی ۱۹۶۳ء کو فرید آباد (ہریانہ) میں ہوئی۔ آپ نے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ شاعری آپ کو ورثہ میں ملی ہے۔ نرگس صاحبہ جناب ساحر سرحدی کی دختر ہیں اور جناب خموش سرحدی کی بھتیجی ہیں۔ اور انہیں بزرگوں کے زیر تربیت اور رہنمائی میں ان کا ذوقِ سخن گوئی پروان چڑھا ہے۔ مشورۂ سخن خموش صاحب سے کرتی ہیں۔ آپ نے اپنے جذبات اور خیالات کے اظہار کے لئے نظم کو وسیلہ بنایا ہے۔ تخیل میں تازگی اور تراکیب میں جدت ملتی ہے۔ عصر حاضر کے مسائل کو نظم میں ڈھالنے کا رجحان قابل ستائش ہے۔ زبان و بیان میں شگفتگی اور صفائی ہے۔ آپ مقامی پندرہ روزہ اخبار "آواز کے ہاتھ" (ہندی اردو) کی ایڈیٹر بھی رہ چکی ہیں۔

پتہ

اے / اے ۵ نیو ٹاؤن۔ فرید آباد (ہریانہ)

نرگس خموش

تمہاری بے رخی کو اپنی قسمت مان لیتا ہوں
کہیں بھی ہوں، کسی بھی حال میں یہ جان لیتا ہوں
کبھی جب درد اٹھتا ہے تمہارا نام لیتا ہوں
تمہیں اپنا بہت اپنا بہت اپنا سمجھتا ہوں

نہ جانے کب یہ دل کی دھڑکنیں خاموش ہو جائیں؟
میری آنکھوں کے سپنے ایک گہری نیند سو جائیں
یہ جتنے سانس باقی ہیں دیئے ان کے جلا دوں میں
کسی سوئی ہوئی امید کو پھر سے جگا دوں میں
کہ بجھ جانے سے پہلے آخری پل تو بھڑکنے دو

کسی چپ چاپ گوشے کو سناؤں داستاں اپنی
کسی ویران جنگل سے لپٹ کر آج میں رو لوں
کسی انجان بستی میں پہنچ کے خود کو بسیرا دوں
تمہیں بولو تمہارا غم لئے کس اور جاؤں میں
میرے پہلو میں جو دل ہے اسے یونہی دھڑکنے دوں

نہ جانے کن گناہوں کی سزا ملتی رہی مجھ کو
کہ اپنی زندگی بھی موت سی لگتی رہی مجھ کو
یہ کیسی پیاس کا صحرا مری قسمت میں آیا ہے
یہ میری ہر خوشی پر کس انوکھے غم کا سایہ ہے
میں سینے کی خلش کو، درد کو پہچان لیتا ہوں
کہیں بھی ہوں، کسی بھی حال میں یہ جان لیتا ہوں!
کبھی جب درد اٹھتا ہے تمہارا نام لیتا ہوں
تمہیں اپنا بہت اپنا بہت اپنا سمجھتا ہوں!!

سوچتی ہوں تجھے وہ بات بتاؤں کہ نہیں؟
اپنی آنکھوں کے سبھی خواب سناؤں کہ نہیں
پھول پتوں سے تو کہہ دیتی ہوں میں حالِ دل
تمہیں اس درد کا ہمراز بناؤں کہ نہیں؟
میرے ساتھی، میرے ہمدم، میرے ہمراہی!
دل کی راہوں میں ابھی تک بھی اکیلی ہوں میں
سرد پیشانی، سلگتے ہوئے لمحے، آنسو
کتنے گم گشتہ خیالوں کی پہیلی ہوں میں
نہ شروعات نہ آخیر، نہ آغاز نہ انجام
دشتِ تنہائی میں نغموں کی یہ سعیِ ناکام
راستوں میں کسی ماضی کی نشانی بھی نہیں
چند بکھرے ہوئے لفظوں کی کہانی بھی نہیں
کیسے سمجھاؤں تمہیں دل کا فسانہ ساتھی
کتنا غمناک تھا پہلا وہ زمانہ ساتھی
تمہیں پایا تھا تو یہ سوچ لیا تھا میں نے

اپنے ہر درد کا ہمراز بناؤں گی تمہیں
نغمۂ شوق ہو دل میں کہ سسکتی آہیں
اپنے ہر درد کی آواز سناؤں گی تمہیں
سچ تو یہ ہے کہ میری اپنی کہانی تھی وہ
میری قسمت نے جسے میری ہتھیلی پہ لکھا
گرتے پتوں کی وہ پت جھڑ تھی میرے اشکوں میں
جن کی غم ناک کہانی کو خزاں نے لکھا
اور احساسِ ندامت سے جھکا کر سر کو
اپنی آنکھوں کو یونہی بند کیا تھا میں نے
کتنی ہلکی سی تھی وہ نیند جو آئی تھی مجھے

اور اب جبکہ بہت مدت بعد
آنکھ کھولی ہے مری نیندوں نے
پھر سے تنہائی کا ہالہ ہے مرے چاروں طرف
پھر سے گرتے ہوئے پتوں کا وہی موسم ہے
اور اس پار کہیں دور کھڑے ہو تم بھی
تم مری درد کی دہلیز پہ آجاتے ہو
دیکھتے ہو ذرا جھک کے میری آنکھوں کی نمی
اور ہنس کر بہت آہستہ سے کہہ دیتے ہو
اتنی خاموش ہو کیوں اتنی پریشان ہو کیوں؟
اپنے دل کے جذبات بتاؤ تو سہی
سوچتی ہوں کہ وہی بات بتا دوں تم کو
اپنی آنکھوں کے سبھی خواب سنا دوں تم کو

اور پھر سوچ کے ڈر جاتی ہوں۔
یہ کہانی ابھی تک تو ادھوری ساتھی!
زندگی میں کبھی ہو گی بھی یہ پوری ساتھی!؟